ماہنامہ مجلہ

حیاتِ نو

بلریاگنج

JANUARY - 1988

سکریٹری انجمن آپ سے مخاطب ہیں

برادران گرامی قدر!   السلام علیکم ورحمۃ اللہ،

امید ہے کہ مزاج عالی بخیر ہوگا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ (یوپی) ایک دینی اور تحریکی ادارہ ہے جو اپنے اندر دینی و عصری علوم کا حسین امتزاج رکھتا ہے۔ اس کے سامنے احیاء دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کا مقصد ہے اور جس کی خصوصیت گروہی، جماعتی اور فقہی اختلافات سے بالاتر ہوکر نونہالان ملت کے اندر قرآن و سنت کا گہرا علم پیدا کرنا اور وقت کے مسائل و نظریات میں گہری بصیرت پیدا کرنا ہے۔

انجمن طلبۂ قدیم کا قیام انہیں مقاصد کی تکمیل کے لئے عمل میں آیا ہے اور اسی غرض کے لئے انجمن علمی، تحقیقی اور تعلیمی مجلہ "حیات نو" پابندی سے نکالتی ہے، جس کا مطالعہ آپ کرتے ہیں۔ امید ہے کہ آپ اجلاس میں شریک ہونے کی تیاری کر رہے ہوں گے۔ اس موقع سے مجلہ حیات نو کی توسیع و اشاعت کا بھی پروگرام بنائیں۔ اپنے دوست احباب سے اس کا تذکرہ کریں اور ممکن حد تک خریدار بنانے کی کوشش کریں۔ اہل خیر اور علم دوست حضرات سے خصوصی تعاون حاصل کریں یا کم از کم ایسے لوگوں کی فہرست لائیں جن سے ہم براہ راست رابطہ قائم کر سکیں۔

والسلام

جاوید اشرف فلاحی

(سکریٹری انجمن طلبۂ قدیم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ

حیات نو

جلد نمبر ۳ ———— شمارہ نمبر ۱

جنوری ۱۹۸۹ء

• مدیر منتظم ———— نور محمد فلاحی

• مدیر ———— طارق فارقلیط فلاحی

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

سالانہ زر تعاون	۳۰/ روپے
خصوصی تعاون	۱۰۰/ روپے
غیر ممالک سے	۱۵/ امریکی ڈالر
فی شمارہ	۳/ روپے

پتہ
ترسیل زر کا: دفتر ماہنامہ مجلہ حیات نو، جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ، یوپی ۲۷۶۱۲۱

فضل نعیمی پریس، برائے جمال پریس دہلی ———— کاتب: رفیق احمد شاہ پوری

نقوش حیاتِ نو

اداریہ

بہار آئی تو کیا آئی، بہار آیا تو کیا آیا — ولی اللہ سعیدی فلاحی — ۲

بحث و نظر

مولانا فراہی کی تفسیر سورۂ فیل - ایک جائزہ — محمد رضی الاسلام ندوی — ۷

صفات باری تعالیٰ پر ایک نظر — ولی اللہ سعیدی فلاحی — ۲۵

مقالات

سید قطب کا نظریۂ اعجاز القرآن — مسیح الزماں فلاحی — ۳۰

ان الشرک لظلم عظیم — اسرار احمد خاں — ۳۶

تصویر وطن

جام نصرت — جناب قاضی زین العابدین صاحب — ۴۰

شعر و نغمہ

غزل — تابش مہدی — ۴۹

نشریات انجمن

طلباء قدیم جامعۃ الفلاح متوجہ ہوں — انصار احمد فلاحی، ناظم نشر — ۷۲

تعارف و تبصرہ

تفسیر دعوۃ القرآن (از افضل تابش یوسف) — مولانا حافظ نعیم الدین اصلاحی، استاذ جامعہ — ۵۷

جامعہ کے لیل و نہار

جناب مولانا نعمت اللہ صاحب کی آمد — ولی اللہ سعیدی فلاحی — ۶۱

اداریہ

ولی اللہ سعیدی فلاحی

بہار آئی تو کیا آئی، بہار آیا تو کیا آیا

بھارت کی آزادی ہمارے ملک کے لئے اس صدی کا سب سے بڑا واقعہ ہے۔ اس آزادی کے لئے تقریباً سو سال سے پیہم کوششیں جاری تھیں۔ ملک کا ذہین اور بیدار مغز طبقہ اس ملک کے لئے ہر ممکن تدابیر استعمال کر رہا تھا۔ آزادی سے پہلے تک بھارت پر برطانوی حکومت کا تسلط تھا۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ملک نے سب سے پہلا قدم ۱۸۵۷ء میں اٹھایا اور دھیرے دھیرے وہ قدم منزل مقصود تک پہنچ گیا۔ دراصل ملک بھارت میں معاشی بدحالی، بے روزگاری اور آزادیٔ کسب معاش کے حقوق کی پامالی وغیرہ جیسے حالات پیدا ہونے لگے۔ برطانوی حکومت سے لوگ کافی عاجز آ گئے۔ ان کی بے چینی، تنگ نظری اور انگریز دشمنی کا اظہار امرت بازار پتریکا کے سابق ایڈیٹر آنجہانی موتی لال گھوش کے ان جملوں سے ہوتا ہے جب وہ انتقال کرنے لگے تو انھوں نے کہا تھا "اب میں اس دنیا کو چھوڑ کر جا رہا ہوں جہاں برطانوی راج نہ ہوگا"۔

اس صورت حال نے پورے ملک کے جیالے، وطن کے سپوت اور آزادی کے ہیرو اٹھے۔ انھوں نے عوام کو بیدار کیا اور ان کے اندر سیاسی شعور بیدار کیا۔ بھارت، انگلینڈ کے ہاتھ سے، عزم مصمم، عمل پیہم اور جہد مسلسل کے بعد آخر وہ دن آ ہی گیا جس کا انتظار تھا۔ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کی شام نہایت خوشگوار شام تھی، اسی شام ہمارا ملک برطانوی تسلط سے آزاد ہوا۔

ماہ جاری ہمیں اسی آزادی کی یاد دلاتا ہے، کیونکہ اسی مہینے کی ۲۶ تاریخ ۱۹۵۰ء کو ہمارے آزاد بھارت کا دستور نافذ العمل میں آیا۔

بھارتی عوام اپنے دل میں سوچ رہے تھے کہ اب ہمارا ملک آزاد ہو چکا ہے، ہم اپنے ملک کو اپنی مرضی کے مطابق چلائیں گے۔ گنگا جمنا کی اس دھرتی میں ایک ایسی بھرپور شاداب زندگی گزاریں گے جو بھارت کے ہر باشندے کو خوشحالی سے مالا مال کر دے گی۔ لیکن افسوس یہ ارمان پورے نہ ہو سکے، دل کی تمنا ہیں

دل کے اندر ہی مدفون ہوگئیں اور آرزوؤں کی کلیاں کھلنے سے پہلے ہی مرجھا گئیں۔ دورِ غلامی جیسی صورت حال پھر پیدا ہوگئی بلکہ کچھ لوگ تو یہ کہتے ہوئے سُنے جانے لگے کہ "دورِ غلامی ہی بہتر تھا"۔ تشدد اور جھگڑوں میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ رشوت بازاری، لوٹ مار اور قتل و غارت گری سرِ محفل ہونے لگی حتیٰ کہ معمولی معمولی باتوں پر فسادات کا لامتناہی سلسلہ چل پڑا، جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کا جنازہ نکلنے لگا۔ ہندو ہوں یا مسلم، سکھ ہوں یا عیسائی یہ مسئلہ سب کا مسئلہ تھا اور آج کی صورتحال سب کے سامنے ہے۔

دوسرے لوگوں کے مقابلے میں خصوصاً مسلمان کافی مسائل اور مشکلات کا شکار رہے۔ انھیں ہر وقت نظر انداز کیا جاتا رہا اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ کبھی ان کی مقدس کتاب کو ضبط کرنے کی بات ہوتی ہے تو کبھی ان کے دستور میں تحریف کرنے کا منصوبہ بنتا ہے اور کبھی ان کی عبادت گاہوں پر قبضہ کیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اب تو یہ کہا جانے لگا کہ مسلمان ہندوستان کے شہری ہی نہیں ہیں۔ لیکن اس معاملہ میں مسلمان معصوم نہیں ہیں بلکہ یہ خود ان کے ہاتھوں کی کمائی ہے۔ آئے دن وہ ایک نہ ایک نئے مسئلے کو اٹھاتے اور اسے حل کرنے کی کوشش کرتے رہے لیکن بنیادی ملی مسائل کی طرف انھوں نے کوئی توجہ نہیں دی اور ٹھوس اور تعمیری کام کرنے کے بجائے ہنگامی طور پر مسائل کو حل کرنے کی جدوجہد کرتے رہے۔ خیر ماضی کی باتوں کو چھوڑئے اور ان پر ماتم کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

لہٰذا دیکھنا یہ ہے کہ بھارت کی حالیہ پوزیشن اور مسلمانوں کی موجودہ صورت حال کے پیش نظر مسلمانوں پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔

الحمدللہ ہمارا تعلق امتِ مسلمہ سے ہے۔ امتِ مسلمہ کے مقاصد اور ان کی ذمہ داریوں کے سلسلہ میں خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتؤمنون باللہ	تم ایک بہترین امت ہو، تمہیں لوگوں کے لیے برپا کیا گیا ہے تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

مسلمان ہونے کا مطلب یہی ہے کہ آدمی خود ایمان لانے کے بعد اپنے دوسرے ساتھیوں کو بھی اس کی دعوت دے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اسی اہمیت کے پیش نظر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ایمان باللہ پر مقدم کیا ہے۔ بھارت میں مسلمانوں کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنا عقیدہ راسخ کرنے کے بعد اپنے دوسرے ساتھیوں تک بھی اس دین کو پہنچائیں کیونکہ اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوسکتا۔

آج بھارت تیزی کے ساتھ لامرکزیت کی طرف بھاگ رہا ہے ہر ریاست اپنی ایک مستقل حکومت قائم کرنا چاہتی ہے۔ آج پورا ملک شدید انتشار کا شکار ہے۔ اس وقت مسلمانوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ بڑھ کر اسلام کی تعلیم پیش کریں کہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو ٹوٹے دلوں کو جوڑتا اور بھارت کے شہریوں کے درمیان اخوت و بھائی چارگی قائم کرسکتا ہے۔ وہ تو واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا کا درس دیتا ہے اور جس کو ماننے کے بعد بلال حبشیؓ، ابوبکر صدیقؓ، سلمان فارسیؓ، حضرت زیدؓ اور عمر فاروقؓ ایک صف میں نظر آتے ہیں۔

آج بھارت کے اندر تعصبات اپنے عروج پر ہیں۔ ایک قوم دوسری قوم کو اس صفحۂ ہستی سے مٹانے پر تُلی ہوئی ہے۔ اس وقت مسلمانوں کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ بھارت کے عوام کو اسلامی مساوات کا درس دیں اور انھیں بتائیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب کی حالت اس سے بدتر تھی لیکن جب انھوں نے قانونِ خداوندی کو قبول کیا تو اس طرح سے ایک دوسرے سے گلے ملے کہ پھر کوئی طاقت انھیں الگ نہیں کرسکی۔

آج بھارت میں انسانوں کے خود ساختہ قوانین نافذ ہیں۔ ان قوانین نے بھارت کے عوام کو منظم کرنے کے بجائے منتشر کردیا ہے۔ اس وقت مسلمانوں کا کام یہ ہے کہ وہ یہ بات واضح کریں کہ جب تک انسان، کائنات اور جہاں کا بنایا ہوا قانون تسلیم نہیں کرتا اطمینان و سکون نصیب نہیں ہوسکتا کیونکہ انسان کی عقل محدود ہے وہ کوئی ایسا قانون نہیں بنا سکتا جس میں ہر آدمی کی مصالح اور اس کے نفسیات کا خیال رکھا گیا ہو یا جس میں دو متضاد خیالات رکھنے والے افراد میں ہم آہنگی پیدا کرنے کا

دنیا کا ایک بہت بڑا حصہ اخلاقی اور روحانی اعتبار سے صحیح تعلقات کی صورت میں تباہ کن ہو رہا ہو۔ اگر کوئی ہستی اس نظام کو مکمل کر سکتی ہے تو وہ محمد ﷺ کی ہستی ہے۔

آج بھارت کے اندر رشوت، خیانت، بے ایمانی اور بے وفائی کا بازار گرم ہے۔ ہر ایک اپنے دنیوی مفاد کے چکر میں ہے۔ ان کے نزدیک فائدہ و نقصان کا نظریہ دنیوی فائدہ و نقصان کا نظریہ ہے۔ وہ تاریخ میں کوشش کر کے عالم دوبارہ نیست پر عملاً کاربند ہیں۔ اس وقت مسلمانوں کا کام ایک گروہ کی حیثیت سے دوسرے عوام کے افکار و خیالات کو تبدیل کریں اور ان کے سامنے نفع و نقصان کا صحیح نظریہ پیش کریں۔ یہ درست ہے کہ نفع و نقصان کا صحیح نظریہ آخرت کا نظریہ ہے۔ یہ نظریہ خدا اور مذہب کو ماننے کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ جو شخص یہ یقین رکھتا ہے کہ وہ ہمیشہ اسی دنیا میں نہیں رہتا ہے بلکہ اس دنیا کے بعد ایک دوسری دنیا کی جانب جانا ہے جہاں اس دنیا میں کیے گئے اعمال کا حساب دینا ہے، تو یقیناً ایسے شخص کے سامنے دنیوی مفاد کی کوئی حقیقت نہیں ہوگی اور وہ اخروی زندگی کا حریص بن جائے گا۔ اور یہ نظریہ اسلام کے پاس ہے۔

اب ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان خواب غفلت سے بیدار ہوں، اپنی ذمہ داری محسوس کریں اور اس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے آج ہی سے منظم طریقے سے کوشش شروع کر دیں اور اس کے بعد انشاء اللہ ایک وقت آئے گا کہ بھارت کے تمام لوگ ہمارے ہم خیال ہوں گے۔ بھارت ہمارا ہوگا۔ بھارت کے تمام لوگوں کا دستور و قانون ایک ہوگا اور قیادت ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں ہوگی جو یقیناً صالح ہوں گے اور اگر اس سلسلے میں ہم نے کوتاہی برتی تو آخرت میں اللہ کے رسوائی سے دوچار ہونا پڑے گا۔ سب سے بڑی کوتاہی ہے۔ وقت کا مؤرخ تاریخ مرتب کر رہا ہے۔ اگر ہم نے کوشش نہیں کی تو مجھے یقین ہے مؤرخ ضرور لکھے گا کہ ایک جماعت مردہ، باہمت اور بیدار مسلمان وہ تھے جنھوں نے مٹھی بھر ہونے کے باوجود پوری دنیا میں اسلام غالب کر دکھایا اور ایک گروہ بیدار اور تعداد کے حساب سے تھے جو کروڑوں کی تعداد میں ہونے کے باوجود اپنے ہی چند ساتھیوں کو اپنا ہم خیال نہ بنا سکے۔

قسط نمبر ۲

محمد رضی الاسلام ندوی

مولانا فراہی کی تفسیر سورۂ فیل

ایک جائزہ

قرآنی الفاظ اور اسالیب سے استشہاد

(۱) مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے لفظ "ترمی" سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ترمی کا فاعل ہمارے نزدیک قریش ہیں جو "الم تر" کے مخاطب ہیں۔ تَرْمِیْ چڑیوں کے لئے کسی طرح موزوں ہے بھی نہیں۔ چڑیاں اپنی چونچوں اور پنجوں سے سنگ ریزے تو گرا سکتی ہیں لیکن رمی نہیں کر سکتے۔ رمی صرف اسی صورت میں ہوگی جب پھینکنے میں بازو یا ناخن کا زور استعمال ہوا ہو اور تیز و تند تھپیڑے اس کے ساتھ ہوں۔" [۳۳]

مولانا اصلاحی کے آخری جملے سے خود ان کے اعتراض کی تردید ہو رہی ہے۔ ابو قیس بن اسلت یثربی جاہلی کے جو اشعار اوپر گزرے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ "جس وقت خدا نے ابرہہ کے لشکر پر کنکر پھینکے اس وقت تند و تیز ہوا بھی چل رہی تھی۔" اس سے چڑیاں جب پتھر گراتی تھیں تو تیز ہوا کی وجہ سے ان میں رمی کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی۔ مشہور محدث ابن ابی حاتم کی نقل کردہ روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے:

"عبید بن عمیر کہتے ہیں کہ جب ابرہہ کا لشکر مکہ کی جانب بڑھا تو تیز ہوا چلی اور سمندر کی جانب سے پرندے غول اڑتے ہوئے لشکر پر چھا گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فضا میں پرندوں کا ہر دستہ لشکر پر پرے کے پرے باندھے ہوئے ہے۔ ان کے ساتھ ان کے دونوں پنجوں میں سنگریزے تھے۔ انھوں نے اول تو آواز کی اور پھر لشکر پر سنگریزے مارنے لگے۔ ساتھ ہی تند و تیز ہوا چلنے لگی جس نے اس عظیم لشکر کے لئے مصیبت عظمیٰ بنا دیا۔" [۳۴]

---

۳۳ تدبر قرآن ۹/۵۴۳ ، ۳۴ قصص القرآن، مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی، ۳/۳۶۵

سیرت ابن اسحاق میں نفیل خثعمی کا جو شعر ہے، اس میں ترمی کا لفظ موجود ہے:

حمدت اللہ لما رایت طیرا — وقذف حجارۃ ترمی علینا

اس کے بعد قرآن نے ایجاز و اعجاز کا نمونہ پیش کرتے ہوئے ترمی کا لفظ استعمال کیا تاکہ اس ایک لفظ سے پوری صورت حال کی تصویر کشی ہو جائے۔

(۲) "ترمیھم" کی خطاب کون ہیں، اس سلسلہ میں مولانا فراہیؒ فرماتے ہیں:

"ہمارے نزدیک اس سورہ کے مخاطب وہ لوگ ہیں جنھوں نے اس واقعہ کو مشاہدہ کیا تھا یا اس کو بطریق تواتر سن کر اس پر یقین رکھتے تھے۔ عربی زبان کا ایک مخصوص اسلوب ہے جس میں واحد کا اطلاق جمع پر ہوتا ہے گویا واحد کا لفظ ایک ایک کر کے پوری جماعت کو مخاطب کرتا ہے۔ کلام عرب اور قرآن مجید میں اس کی مثالیں بہت ہیں۔۔۔ (کبھی کلام واحد کے صیغے سے شروع ہوتا ہے اور پھر جمع کی ضمیر آتی ہے کیونکہ وحدت مقصود نہیں ہوتی ہے) کبھی اس کے برعکس جمع سے کلام شروع ہوتا ہے اور پھر واحد کی ضمیر آتی ہے لیکن اس سے مقصود وحدت ہوتی ہے۔[۳۴]

"خطاب کبھی نبی سے بحیثیت امت کے امام اور ترجمان ہونے کے ہوتا ہے اور اس سے مراد جماعت ہوتی ہے خواہ تمام لوگ یا ان کی ایک جماعت اور کبھی خطاب بذات خود لوگوں سے ہوتا ہے۔ اس صورت میں خطاب واحد کے صیغے سے ہوتا ہے اور اس سے مراد نبی کے واسطے کے بغیر پوری امت ہوتی ہے۔ یہاں کبھی نبی کے خطاب کے بعد آتا ہے اور کبھی پہلے۔ یہ التفات کے طریقے پر ہوتا ہے۔"[۳۵]

پھر مولانا نے قرآن کے اس اسلوب کی متعدد مثالیں تفسیر سورۂ فیل اور اسالیب القرآن میں دی ہیں

مثلاً: ألم تر أن الفلك تجري في البحر بنعمة الله ليريكم من آياته (لقمان ۳۱)

ألم تر أن الله خلق السماوات والأرض بالحق إن يشأ يذهبكم ويأت بخلق جديد (ابراہیم ۱۹)

وإن تدعوهم إلى الهدى لا يسمعوا وتراهم ينظرون إليك وهم لا يبصرون (الاعراف ۱۹۸)

وقضى ربك ألا تعبدوا إلا إياه وبالوالدين إحسانا إما يبلغن عندك الكبر أحدهما أو كلاهما فلا تقل لهما أف ولا تنهرهما وقل لهما قولا كريما (الاسراء ۲۳)

مولانا نے ان کے علاوہ اور بھی بہت سی مثالیں دی ہیں لیکن ان تمام مثالوں کا استقراء کرنے سے ایک

---

[۳۴] تفسیر سورۂ فیل، ص ۲۱۔ [۳۵] اسالیب القرآن مولانا فراہی، ص ۱۴۰ دائرہ حمیدیہ سرائے میر، اعظم گڑھ

دوسری بات جو مولانا نے کہی ہے وہ یہ صحیح ہے کہ خطاب کبھی واحد کے صیغے سے ہوتا ہے اور اس سے مراد جماعت ہوتی ہے لیکن وہاں کوئی نہ کوئی قرینہ اور اشارہ ایسا ضرور ہوتا ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے چنانچہ اس واحد کے صیغے کے بعد یا اس سے پہلے جمع کا صیغہ ہوتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ واحد کا صیغہ بھی جمع کے معنی میں ہے۔ لیکن قرآن میں کوئی آیت ایسی نہیں جس میں ایسا کوئی قرینہ دیا گیا ہو، اس کے باوجود واحد کا صیغہ جمع کے معنی میں ہو۔

یہاں یہ استدلال نہیں کیا جا سکتا کہ چونکہ مورد نہیں ہیں "الم تر" سے مراد جمع ہے کیونکہ اس کے بعد "ترمیھم" بھی جمع (ترموھم) کے معنی میں ہے جبکہ "الم تر" قرآن کا ایک خصوصی اسلوب ہے۔ الم تر کے الفاظ قرآن میں اکتیس مرتبہ آئے ہیں۔ قرآن یہ اسلوب اس وقت اختیار کرتا ہے جب کسی اہم بات کی طرف اشارہ کر کے لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہوتا ہے جیسے کسی اہم اور مشہور واقعہ کی طرف اشارہ کرنا:

عاد و ثمود (الفجر ۶)، نمرود (البقرہ ۲۵۸)، بنی اسرائیل (البقرہ ۲۴۳-۲۴۶)، اصحاب الفیل (فیل ۱)، یا اہل کتاب (آل عمران ۲۳)، منافقین (النساء ۶۰، المجادلہ ۸، ۱۴)، مشرکین (ابراہیم ۲۸، المومن ۶۹)، شعراء (الشعراء ۲۲۵) کے رویہ کی طرف توجہ دلانا۔

یا اللہ کی صفات کی طرف متوجہ کرنا (ابراہیم ۱۹، ۲۴، المجادلہ ۷)۔

یا اللہ کی کائنات کی وسعت کی طرف توجہ مبذول کرانا (الحج ۱۸، ۶۳، ۶۵، النور ۴۱، ۴۳، الفرقان ۴۵، لقمان ۲۰، ۲۹، ۳۱، فاطر ۲۷، الزمر ۲۱)۔

امام رازی نے لکھا ہے:

"المراد من الرؤية العلم والتذكير وهو اشارة الى ان الخبر به متواتر فكان العلم الحاصل به ضروريا مساويا في القوة والجلاء للرؤية"[۳۶]

(رؤیت سے مراد علم و تذکیر ہے۔ اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ اس سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ قوت و وضاحت میں رؤیت کے مساوی ہے۔)

مولانا فراہیؒ نے بھی یہی لکھا ہے کہ "کسی امر کا اقرار کرانے کے لئے بھی عربی زبان میں یہی اسلوب ہے۔ جب یہ انداز کلام اختیار کیا جاتا ہے تو اس کے بعد کسی مشہور و معروف بات کا ذکر آتا ہے۔"[۳۷]

---

[۳۶] تفسیر کبیر رازی ۳۲/۹۶ [۳۷] تفسیر سورۂ فیل ص ۴۳

معلوم ہو کہ یہ قرآن کا ایک مخصوص اسلوب ہے اسے خلاف ربط نہیں بتایا جا سکتا۔

(۱۰) ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر چڑیاں سنگباری کرنے کے لئے نہیں بلکہ لاشوں کو کھانے کے لئے آئی تھیں تو ترتیب کلام یہ ہونی چاہئے تھی: "ترمیہم بحجارۃ من سجیل۔ فجعلہم کعصف مأکول۔ وارسل علیہم طیرا ابابیل"۔

اس کا ذکر کرتے ہوئے مولانا امین احسن اصلاحی صاحب فرماتے ہیں:

"یہ سوال ان لوگوں کے ذہن میں پیدا ہوا ہے جو ہمارے نزدیک عربیت کے ایک خاص اسلوب بلاغت سے ناآشنا ہیں۔ وہ یہ کہ بعض مرتبہ کسی نتیجہ یا اثر کی صراحت ظاہر کرنے کے لئے اس کو فعل کی پوری تفصیل سے پہلے ظاہر کر دیتے ہیں۔ دعاؤں کی قبولیت ظاہر کرنے کے لئے قرآن نے یہ اسلوب جگہ جگہ اختیار کیا ہے اور ہم اس کی وضاحت کرتے آئے ہیں۔ یہاں سورۂ نوح سے ایک مثال پیش کرتے ہیں:

قال نوح رب انہم عصونی واتبعوا من لم یزدہ مالہ وولدہ الا خسارا ...... مما خطیئاتہم اغرقوا فادخلوا نارا فلم یجدوا لہم من دون اللہ انصارا۔ وقال نوح رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا۔ (نوح: ۲۱-۲۶)

ان آیات پر تدبر کی نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ حضرت نوحؑ کی دعا سے پہلے ہی تقریر کے بعد ان کی قوم کا انجام رکھ دیا گیا ہے اور ان کی آخری دعا بعد کو ذکر کی گئی ہے۔ حالانکہ انجام بہرحال پوری دعا کے بعد ہی سامنے آیا ہوگا۔ اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ قبولیت دعا کی صراحت ظاہر کرنے کے لئے ترتیب کلام میں تقدیم و تاخیر کر دی گئی۔ ٹھیک اسی طرح اس سورہ میں ابرہہ کی فوجوں کا انجام ظاہر کرنے کے لئے ان پر چڑیوں کے بھیجے جانے کا ذکر پہلے کیا، ان کے پامال ہونے کا ذکر اس کے بعد کیا۔ سورہ کا مزاج چونکہ قریش پر امتنان و احسان کا تھا اس وجہ سے بلاغت کا تقاضا یہی تھا کہ دشمن کی پامالی کی تصویر پہلے سامنے آجائے۔"[۳۱]

مولانا اصلاحی صاحب نے مذکور بالا اقتباس میں اسلوب بلاغت کی طرف اشارہ کیا ہے ہمارے نزدیک سورہ فیل میں وہ اسلوب نہیں پایا جاتا بلکہ ایک دوسرا اسلوب "تفصیل بعد الاجمال" پایا جاتا ہے۔ یہ اسلوب قرآن میں متعدد جگہ آیا ہے۔ پہلے قرآن ایک واقعہ اجمال کے ساتھ بیان کرتا ہے، اس کے بعد اسی کو پھر تفصیل سے

۳۱۔ تدبر قرآن جلد ہشتم، ص ۵۱۵-۵۱۶

بیان کرتا ہے جیسے سورۂ کہف کی آیات ملاحظہ ہوں:

"ام حسبت ان اصحاب الکہف والرقیم کانوا من آیاتنا عجبا۔ اذ اوی الفتیۃ الی الکہف فقالوا ربنا آتنا من لدنک رحمۃ وہیئ لنا من امرنا رشدا۔ فضربنا علی آذانہم فی الکہف سنین عددا۔ ثم بعثناہم لنعلم ای الحزبین احصی لما لبثوا امدا۔ نحن نقص علیک نبأہم بالحق، انہم فتیۃ آمنوا بربہم وزدناہم ہدی...... الخ۔ (الکہف ۹-۲۶)

(کیا تم سمجھتے ہو کہ غار اور کتبے والے ہماری کوئی بڑی عجیب نشانیوں میں سے تھے؟ جب وہ چند نوجوان غار میں پناہ گزیں ہوئے اور انھوں نے کہا کہ اے پروردگار ہم کو اپنی رحمت خاص سے نواز اور ہمارا معاملہ درست کر دے تو ہم نے انھیں اسی غار میں تھپک کر سالہا سال کے لئے گہری نیند سلا دیا پھر ہم نے انھیں اٹھایا تاکہ دیکھیں ان کے دو گروہوں میں سے کون اپنی مدت قیام کا ٹھیک شمار کرتا ہے۔ ہم ان کا قصہ تمہیں سناتے ہیں۔ وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لے آئے تھے اور ہم نے ان کو ہدایت میں ترقی بخشی تھی۔ ہم نے ان کے دل اس وقت مضبوط کر دیئے تھے جب وہ اٹھے اور اعلان کر دیا...... (الخ)

پہلے قرآن نے اجمال کے ساتھ بتایا کہ اصحاب کہف نے غار میں پناہ لی اور ہم نے انھیں سالوں سلائے رکھا پھر انھیں بیدار کیا تاکہ دیکھیں کہ دونوں گروہوں میں کون زیادہ خوب گنتی یاد رکھتا ہے۔ اس کے بعد پھر سے اصحاب کہف کا قصہ تفصیل سے بیان کیا۔ یہی اسلوب سورۂ فیل میں بھی ہے۔ پہلے قرآن نے اجمال کے ساتھ بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب الفیل کے مکر کو ناکام کر دیا پھر اس کی تفصیل یوں بیان کی کہ اس نے چڑیوں کو بھیج کر سنگباری کے ذریعہ تہس نہس کر کے کھائے ہوئے بھس کی طرح بنا دیا۔ اس طرح ان کا منصوبہ ناکام ہو کر رہ گیا۔

غلط فہمی کے اسباب کا جائزہ

مولانا فراہی نے ایک فصل میں "تاویل میں غلط فہمی کے اسباب" کا جائزہ لیا ہے لیکن وہ امر عقلی اور بہت زیادہ ہیں۔ ایک مثال یہاں ذکر کی جاتی ہے جس پر مولانا نے گفتگو کی ہے کہ وہ دوسرے اسباب کو بھی سمجھا سکتا ہے۔ لکھتے ہیں:

"بعض لوگ، جو تدبر کے عادی نہیں ہیں، انھوں نے چڑیوں اور پتھروں کا ذکر ایک ساتھ کیا ہے۔ اس سے بعض نے یہ گمان کیا کہ پتھر چڑیوں نے پھینکے اور یہ ظن ہے۔ بعض دیکھنے والوں کو بھی شبہ ہو جاتا

انھوں نے اپنے خیال کے مطابق واقعہ کو بیان کر دیا ہو۔ ظاہر ہے کہ ان لوگوں کا عذر واضح ہے۔ سنگباری کے جو نشانات قلعوں میں آئے وہ عربوں کی سنگباری کے اعتبار سے بہت زیادہ تھے۔ ابرہہ کی پوری فوج کا بھس کی طرح پامال ہو جانا قریش کی جنگ، نہ ان کے بس کی بات نہ تھی۔ اس وجہ سے ان لوگوں کو خیال ہوا ہوگا کہ یہ سنگ باری آسمانی ہوئی ہے۔ آسمان کی طرف نظر اٹھائی تو تمام فضا چڑیوں سے بھری ہوئی تھی اس وجہ سے خیال ہوا ہوگا کہ ہو نہ ہو یہ ان ہی چڑیوں کا کرشمہ ہے۔ بعد میں جن لوگوں نے یہ روایت سنی انھوں نے آیت کو بھی اسی پر محمول کر دیا۔ حالانکہ آیت زیادہ صحیح تھا کہ یہ آسمانی سنگ باری عربوں کی سنگ باری کے پردے میں ہوئی۔" ۲۹؎

ایک دوسری جگہ بھی اسی قسم کی قیاس آرائی کی ہے۔ وہ بھی قابل ملاحظہ ہے:

"جن لوگوں نے چڑیوں کی شکل و صورت، ان کا رنگ، ان کی چونچوں زردگونی، ان کا لاشوں پر گرنا سب کچھ بیان کیا ہے ظاہر ہے کہ ان کا بیان عینی شہادت پر مبنی ہوگا۔ باقی جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ چڑیاں چونچوں اور پنجوں میں پتھر اٹھائے ہوئے تھیں تو یا تو انھوں نے اوپر سے پتھر برستے ہوئے دیکھے اور دوسرے پرندوں کو کہ ایک بھی چڑیاں پھینک رہی ہیں یا ترمیھم کی ضمیر کا مرجع انھوں نے طیراً کو بنا دیا اور پھر اصل واقعہ کی تحقیق کے بغیر اپنی تاویل ان کے ذہن میں آئی اسی سانچے میں انھوں نے قصہ کو ڈھال دیا۔" ۳۰؎

مولانا کے اس طرز تحقیق پر کیا تبصرہ کیا جائے۔ جب عینی شاہد روایت کو ناقابل اعتبار قرار دیا جائے تب تو بڑی آسانی سے کسی بھی واقعہ کا انکار کیا جا سکتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ دیکھنے والوں نے صحیح دیکھا، بتانے والوں نے صحیح بتایا اور سننے والوں نے صحیح سنا۔ کسی سے کوئی غلطی یا غلط فہمی نہیں ہوئی۔ اس زمانے کے راویوں سے زیادہ تشریحات اس سلسلے میں اس لئے نہیں ملتیں کیونکہ سب پر اچھی عین الیقین اور علم الیقین حاصل تھا البتہ حاشیہ خیال میں بھی یہ نہ ہوگا کہ ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا جب یہ بات معرض بحث بن جائے گی کہ چڑیاں سنگباری کرنے کے لئے آئی تھیں یا لشکر ابرہہ کی لاشوں کو کھانے۔

مولانا فراہی کی تاویل پر اعتراضات

مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہو گیا کہ ترمیھم کا فاعل ابابیل کو مان کر یہ کہنا کہ چڑیاں لشکر ابرہہ پر سنگباری کرنے کے لئے نہیں بلکہ ان کی لاشوں کو کھانے کے لئے آئی تھیں، صحیح نہیں۔ سورۂ فیل کے الفاظ

۲۹؎ تفسیر سورۂ فیل ص ۱۸۔ ۳۰؎ ایضاً ص ۲۲

اور اسلوب میں غور کرنے سے بھی اس تاویل کی غلطی واضح ہوتی ہے۔ ذیل میں اسے ہم اختصار کے ساتھ واضح کریں گے۔

(۱) سورۂ فیل کی پہلی آیت ہے: الم تر کیف فعل ربک باصحب الفیل۔

اس میں "فعل" کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے۔ قرآنی استقراء سے معلوم ہوتا ہے کہ جب فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے تو وہاں عذاب اور سزا کا تذکرہ ہوتا ہے اور یہ عذاب انسانوں کے ذریعے یا ان کی معاونت سے نہیں ہوتا بلکہ براہ راست اللہ تعالیٰ آندھی، طوفان، چیخ، اور اجرام سماوی ارضی مسلط کر کے ہلاک کرتا ہے۔ چند آیات ملاحظہ ہوں:

الفجر ۶: الم تر کیف فعل ربک بعاد — ابراہیم ۴۵: وتبین لکم کیف فعلنا بھم وضربنا لکم الامثال — المرسلات ۱۸: کذلک نفعل بالمجرمین۔

الصافات ۳۴: انا کذلک نفعل بالمجرمین۔

شروع کی تین آیتوں میں گزشتہ قوموں کی ہلاکت کا تذکرہ ہے اور چوتھی آیت میں جہنم کے عذاب کا بیان ہے۔ یہی معنی سورۂ فیل کی آیت میں بھی پایا جاتا ہے لیکن مولانا فراہی کی تاویل ماننے کی صورت میں عذاب میں انسانوں کی شرکت لازم آتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اہل مکہ نے لشکر ابرہہ پر سنگباری کی اور اس کے پردے میں اللہ نے ان کو ہلاک کیا۔

(۲) سورۂ فیل کی تیسری آیت ہے: وارسل علیھم طیرا ابابیل۔

قرآن مجید میں جب ہم "ارسل علی" کے فعل کا استقراء کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اسے یا تو غلبہ یا انعام کے مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے یا عذاب کے مفہوم میں۔ اول الذکر مفہوم کی مثالیں:

مریم ۸۳: الم تر انا ارسلنا الشیطین علی الکفرین تؤزھم ازا۔

النساء ۸۰: ومن تولی فما ارسلنک علیھم حفیظا۔ (مزید دیکھئے الشوریٰ ۴۸)

الاسراء ۵۴: وما ارسلنک علیھم وکیلا۔

الانعام ۶۱: وھو القاھر فوق عبادہ ویرسل علیکم حفظۃ۔

انعام کے مفہوم میں استعمال ہونے کی مثال:

ہود ۵۲: ویقوم استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ یرسل السماء علیکم مدرارا۔ (مزید دیکھئے نوح ۱۱، الانعام ۶)

ان کے علاوہ دیگر تمام آیتوں میں عذاب کے معنی میں آیا ہے جیسے:

الاعراف ۱۳۳ : فارسلنا علیہم الطوفان والجراد .....

" ۱۶۲ : فارسلنا علیہم رجزا من السماء۔

العنکبوت ۴۰ : فمنہم من ارسلنا علیہ حاصبا۔ (مزید دیکھئے القمر ۳۴ ، الاسراء ۶۸ ، الملک ۱۷)

الاحزاب ۹ : فارسلنا علیہم ریحا وجنودا لم تروھا (مزید دیکھئے ۔۔۔ الذاریات ۴۱ ، القمر ۱۹)

سبا ۱۶ : فارسلنا علیہم سیل العرم ۔

القمر ۳۱ : انا ارسلنا علیہم صیحۃ واحدۃ ۔

الذاریات ۳۳ : لنرسل علیہم حجارۃ من طین ۔

الاسراء ۶۹ : فیرسل علیکم قاصفا من الریح ۔

الکہف ۴۰ : فیرسل علیکم حسبانا من السماء ۔

سورۂ فیل میں بھی " ارسل علی " عذاب کے معنی میں ہے جیسا کہ خود مولانا فراہی نے بھی لکھا:

" ارسل علیہم ۔ حرف علی میں یہاں غلبہ اور ضرر دونوں کا مفہوم پنہاں ہے ۔" [۳۱]

فخر رازی نے بھی فعل " ارسال " کے ، عذاب کے معنی میں ہونے کا اشارہ کیا ہے۔ [۳۲]

لیکن مولانا فراہی کی تاویل کی صورت میں عذاب کا مفہوم واضح نہیں ہوتا۔ مولانا کہتے ہیں کہ لشکر ابرہہ کو اللہ تعالیٰ نے " حاصب " کے ذریعے ہلاک کیا۔ اس کے بعد ان کی لاشوں کو کھانے کے لیے چڑیاں بھیجیں۔ گویا چڑیاں عذاب کے لیے نہیں بلکہ رحمت کے لیے بھیجی گئی تھیں تاکہ اہل مکہ کو پہنچنے والی تکالیف اور پریشانیاں دور ہو جائیں، اور لاشوں کے تعفن سے ان میں بیماریاں نہ پھیلیں۔ جبکہ قرآن " ارسل علی " کا لفظ استعمال کرتا ہے اور قرآنی استقراء سے معلوم ہوا کہ قرآن اسے عذاب کے معنی میں استعمال کرتا ہے۔

(۳) سورۂ فیل کی چوتھی آیت ہے " ترمیہم بحجارۃ من سجیل " ۔
اس آیت سے بھی اشارہ ملتا ہے کہ " ترمیہم " کا مخاطب اہل مکہ نہیں ہو سکتے، اسلئے کہ اس میں

[۳۱] ایضاً ص۴ ۔ [۳۲] تفسیر کبیر رازی ۳۲/۹۶

سجیل کی قسم کے پتھروں کا ذکر ہے۔ اگر سنگباری اہل مکہ نے کی ہوتی تو " من سجیل " کی قید لانے کی ضرورت نہیں تھی صرف " ترمیہم بحجارۃ " کہنا کافی تھا۔ حضرت ابن عباس کی تشریح سے معلوم ہوتا ہے کہ سجیل فارسی الفاظ سنگ اور گل کا معرب ہے۔ عربی زبان میں کنکر، پتھر کے لیے متعدد الفاظ آتے ہیں لیکن ان میں سے صرف سجیل کا استعمال خاص معنی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ سجیل کی قسم کے پتھر مکہ و نواح مکہ میں نہیں پائے جاتے تھے۔ پھر آخر اہل مکہ سنگباری کے لئے کہاں سے لائے تھے؟

یہ استدلال مولانا شبیر احمد صاحب میرٹھی نے بھی کیا ہے۔ اس پر جناب نسیم ظہیر اصلاحی صاحب نے بڑا مضحکہ خیز تبصرہ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو جن آیتوں میں حجارۃ من سجیل اور حجارۃ من طین کے الفاظ آئے ہیں انھیں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

" ان آیتوں میں عرب بائدہ کا ذکر ہے جن کو ایسی تند و تیز اور تباہ کن آندھی کے ذریعے ہلاک کیا گیا تھا جو اپنے ساتھ سجیل کی قسم کے پتھر لیے ہوئے آئی تھی اور مسلسل کئی روز تک چلتی رہی۔ یہ قومیں عرب تھیں اور سرزمین حجاز میں آباد تھیں۔ انھیں ہلاک کرنے والی آندھی کہیں دور دراز سے کنکر پتھر لے کر نہیں آئی تھی بلکہ وہ جن راستوں سے گزرتی تھی انھیں میں پڑے ہوئے کنکر پتھر اپنے ساتھ اڑائے ہوئے چلتی تھی۔ اب اگر اس علاقہ میں سجیل کے قسم کے پتھر پائے ہی نہیں جاتے تھے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ آندھیاں بھی اپنے ساتھ سجیل کے پتھر کہاں سے لائی تھیں؟" [۳۳]

یہ ایک فاش غلطی ہے۔ قرآن میں سورۂ فیل کے علاوہ دو جگہ اور حجارۃ من سجیل کے الفاظ آئے ہیں (ہود ۸۲ ، الحجر ۷۴) اور ایک جگہ حجارۃ من طین کے الفاظ ہیں (الذاریات ۳۳)۔ تینوں جگہ مراد قوم لوط ہے۔ تاریخ اور جغرافیہ سے ادنیٰ سی بھی واقفیت رکھنے والا جانتا ہے کہ قوم لوط حجاز میں نہیں بلکہ حجاز سے سیکڑوں میل دور شام میں بحر مردار (DEAD SEA) کے کنارے آباد تھی۔ اس لئے قوم لوط کو قلم کے زور پر سرزمین حجاز میں آباد کر دینا سخت غلطی ہے۔

نئی تاویل کا سبب

مولانا فراہی کی تفسیر سورۂ فیل کا مطالعہ کرتے وقت بار بار یہ خیال ذہن میں آیا کہ آخر مولانا کے ذہن میں یہ عجیب و غریب تفسیر کیسے آئی جب کہ

[۳۳] تحقیقات اسلامی ص ۵۵-۵۶

کوئی روایت ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ "تفسیر کی کسی کتاب میں بلکہ ادنیٰ اشارہ تک نہیں ملتا اور نہ سنت کی
تاریخ اور کسی کی جانب سے یہ رائے سامنے نہیں آئی۔ مطالعے سے معلوم ہوا کہ اشعار عرب کے وسیع و
عمیق مطالعہ کے زیر اثر مولانا کے ذہن میں عربوں کی فطرت، شجاعت و بہادری، شہسواری اور
شمشیر زنی کی تصویر مرتسم ہو گئی تھی اس لئے ان کو شبہ ہوا کہ انھوں نے لشکر ابرہہ سے ضرور مقابلہ
کیا ہو گا۔ اسی کو بنیاد بنا کر مولانا نے اشعار عرب میں سے مجمل اشعار لے لئے اور انھیں اپنے مدعا کی دلیل
بنا لیا۔ اسی خیال کو ذہن میں رکھ کر سورۂ فیل پر نظر ڈالی اور جو جو اشکال آتے گئے انھیں قرآن کے
مختلف اسالیب، قواعد نحو اور عربی اشعار سے حل کرتے گئے اور جو روایتیں ان کے خلاف ملیں انھیں
"بے بنیاد، غلط اور لغو" قرار دے دیا اور اس طرح سے اپنے بنے بنائے خیال کی ایک نئی تفسیر وجود میں
آئی جو حقیقت کے بالکل برعکس تھی۔ مولانا کے اس خیال کا اندازہ درج ذیل اقتباس سے ہوتا ہے:

"دنیا کے پردے میں کوئی قوم ایسی نہیں ہو سکتی جو اپنی عبادت گاہ کو دشمنوں کے نرغہ میں چھوڑ دے، پھر اس سے اس
بے غیرتی کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے کہ وہ بغیر کسی مدافعت کے اپنا معبد دشمنوں کے حوالہ کر کے پہاڑوں
میں جا چھپے گی۔ اس طرح کی بے حمیتی کا گمان تو ہم دنیا کی ذلیل قوموں کی نسبت بھی نہیں کر سکتے تو قریش
اور بنی اسماعیل کی نسبت کس طرح کر سکتے ہیں جن کا تمام تر سرمایہ فخر و نازش، حمیت، شہسواری، شمشیر زنی
اور تیر اندازی ہی رہا ہے۔ یہاں تک کہ غیروں کو بھی اعتراف ہے کہ اسی جوہر کی بدولت انھوں نے کبھی بھی
آزادی پر آنچ نہ آنے دی۔" [۳۲]

اہل مکہ کے لشکر ابرہہ سے مقابلہ نہ کرنے کی وجہ ہم اجمالاً بیان کر چکے ہیں۔ مولانا فراہی کا
یہ استدلال سراسر قیاسی اور ذاتی ہے۔ تاریخ کے کسی واقعہ کے ثبوت کے لئے محض قیاس کافی نہیں ہے
بلکہ اس کے لئے تاریخی شہادت مطلوب ہوتی ہے لیکن ہمیں اس سلسلہ میں کوئی شہادت نہیں ملتی بلکہ مولانا کی
فرض کردہ صورت پر کئی اعتراضات پڑتے ہیں:

۱- تمام عرب میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ اہل مکہ نے ابرہہ سے اپنے مقابلہ کا کبھی بھی
تذکرہ کیا ہو۔ بعد میں کئی بہت سی جنگیں ہوئیں لیکن کبھی اہل مکہ نے فخریہ طور پر اس کو بیان کر کے جوش دلانے کے

---

[۳۲] تفسیر سورۂ فیل ص ۲۱

نہیں کہا کہ "مقابلہ کرو جس طرح تم نے ابرہہ سے مقابلہ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ مدد کرے گا" تمام اشعار میں
لشکر ابرہہ کی تباہی کو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا کرشمہ کہا گیا ہے۔ خود فراہی کے اشعار میں مقابلہ
کا جو ذکر ہے اس کے سلسلہ میں ہم بتا چکے ہیں کہ اس میں پہلے ہونے والی لڑائیوں میں سے کسی لڑائی کا
تذکرہ ہے۔ چند اشعار درج ذیل ہیں:

عبدالمطلب نے دعا کے وقت کہا تھا:

یا رب لا أرجو لهم سواكا   یا رب فامنع منهم حماكا [۳۳]

(اے رب ان کے مقابلہ کے لئے تیرے سوا کسی سے امید نہیں، اے رب ان سے اپنے گھر کی حفاظت کر)

انہی کا شعر ہے:

منعت ابرهة الأرض التي حبست   من الشاه فلم تخلق لهم درك [۳۴]

مغیرہ مخزومی کہتا ہے:

أنت حبست الفيل بالمغمس   أمسكت أبا يكسوم والمغلس
كردستهم وأنت غير مكردس   تدعسهم وأنت غير مدعس [۳۵]

(تو نے ہاتھی کو مغمس کے مقام پر روک دیا اور تو نے ابو یکسوم اور مغلس کو ہلاک کر دیا۔ تو نے ان کی جماعتیں
اور جھنڈ توڑ دیئے، تو نے انھیں پامال کر دیا اور روند ڈالا اور ان کا کوئی منصوبہ کامیاب نہ ہو سکا۔)

طالب بن ابی طالب بن عبدالمطلب کا شعر ہے:

ألم تعلموا ما كان في حرب داحس   وجيش أبي يكسوم إذ ملؤوا الشعبا
فلولا دفاع الله لا شيء غيره   لأصبحتم لا تمنعون لكم سربا [۳۶]

(کیا تمہیں معلوم نہیں کہ داحس کی جنگ اور ابو یکسوم کے لشکر کا کیا انجام ہوا جب انھوں نے وادی کو بھر دیا
تھا۔ اس وقت اگر اللہ تعالیٰ تمھیں نہ بچاتا تو تم قوم کی حفاظت نہ کر سکتے تھے۔)

امیہ بن ابی الصلت کا شعر ہے:

حبس الفيل بالمغمس حتى   ظل يحبو كأنه معقور [۳۷]

---

[۳۳] تفسیر سورۂ فیل ص ۲۷ [۳۴] سیرت [illegible] [۳۵] [illegible] [۳۶] ایضاً [illegible] [۳۷] [illegible]

(اس نے ہاتھی کو حبس میں رکھ دیا یہاں تک کہ وہ گھٹنوں کے بل اس طرح بیٹھ گیا جس طرح وہ اونٹنی بیٹھتی ہے جس کی کونچیں کاٹ دی گئی ہوں۔)

یہ اور اس کے علاوہ دیگر تمام اشعار میں صرف اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا گیا ہے اور لشکرِ ابرہہ کی پسپائی کو اسی کا کرشمہ قرار دیا گیا ہے۔ اہلِ مکہ کے مقابلہ کا ہلکا سا بھی اشارہ نہیں ملتا۔

(۲) یہ بیانِ سنگ اندازی کی جو صورت فرض کی گئی ہے تاریخ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اگر اہلِ حجاز اس طریقے کے عادی تھے تو اس سے پہلے ہونے والی جنگوں میں بھی اس طریقۂ جنگ کے اختیار کرنے کا تذکرہ کلامِ عرب میں ملنا چاہیے اور اگر انھوں نے پہلی مرتبہ یہ طریقہ اختیار کیا تھا تو بھی اس کی صراحت ضرور ہونا چاہیے اور کلامِ عرب میں اس کا بھی حوالہ ملنا چاہیے۔

(۳) عربوں کی شجاعت، بہادری، جرأت و دلیری، غیرت و حمیت، شہسواری و شمشیر زنی، اور حریت پسندی کی داستانیں ہیں، لیکن محض اس کی بنیاد پر تاریخ گھڑنا اور حقائق کے برخلاف نئی تصویر پیش کرنا صحیح نہیں بلکہ اس کے لیے ٹھوس تاریخی حقائق مطلوب ہیں۔ تاریخ، سیرت اور حدیث کی کتابوں میں فتحِ مکہ کی جو تفصیلات ملتی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دس ہزار صحابہ کے ہمراہ مکہ میں داخل ہوئے تو اہلِ مکہ نے کوئی مزاحمت نہیں کی صرف حضرت خالد بن الولیدؓ کے دستہ سے بہت معمولی سی جھڑپ ہوئی ہے۔ اگر کوئی اہلِ مکہ کی شجاعت و حمیت کی بنیاد پر یہ کہنے لگے کہ مسلمانوں اور کفار کے درمیان جنگ ضرور ہوئی ہوگی تو اسے تاریخ بیانی نہیں تاریخ سازی ہی کہا جا سکتا ہے۔ یہی حال واقعۂ فیل کا بھی ہے۔ تاریخی ثبوت نہ ہونے کے باوجود محض اہلِ عرب کی شجاعت کی داستانوں کی بنیاد پر ان کی معرکہ آرائی ثابت کرنا بعید از صواب ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اہلِ مکہ کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ مکہ پر کسی ناحق شخص کو مسلط نہیں کرے گا۔ اللہ کے رسولؐ نے جب مکہ پر فتح پائی تو فرمایا:

"إن الله حبس عن مكة الفيل وسلط عليها رسوله والمؤمنين، وإنه قد عادت حرمتها اليوم كحرمتها بالأمس."

(اللہ نے مکہ سے ہاتھی کو روکا اور اپنے رسول اور اہلِ ایمان کو اس پر تسلط بخشا۔ آج مکہ کی حرمت اسی طرح ہوگئی ہے جیسے کل تھی)

صحیحین (بخاری کتاب العلم، کتاب اللقطہ، مسلم ابواب الحج) ابو داؤد ابواب المناسک، ابواب الجہاد

فتحِ مکہ کے بعد لوگ جوق در جوق اسلام قبول کرنے لگے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ انھیں یقین ہوگیا تھا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم حق پر ہیں، اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں مکہ پر غلبہ بخش دیا ہے۔ عمرو بن سلمہ (ان کی صحابیت میں اختلاف ہے) کہتے ہیں:

وكانت العرب تلوّم بإسلامهم الفتح فيقولون: اتركوه وقومه فإنه إن ظهر عليهم فهو نبي صادق، فلما كانت وقعة الفتح بادر كل قوم بإسلامهم۔

اہلِ عرب اسلام قبول کرنے کے لیے فتحِ مکہ کا انتظار کرتے تھے، وہ کہتے تھے: انھیں (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو) اور ان کی قوم کو چھوڑ دو، اگر وہ ان پر غالب آگئے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ سچے نبی ہیں۔ اسی لیے جب مکہ فتح ہوگیا تو ہر قبیلے نے اسلام قبول کرنے میں سبقت کی۔

پیشِ نظر مقالہ میں مولانا فراہیؒ کی تفسیر سورۂ فیل کے صرف متعلقہ مباحث پر گفتگو کی گئی ہے۔ ورنہ واقعۂ فیل کے سلسلے میں دوسری رائیں اور بعض جزئی واقعات بھی ہیں جن پر بحث کی ضرورت ہے لیکن طوالت کے خوف سے ہم انھیں نظرانداز کر رہے ہیں۔

مولانا فراہیؒ نے اپنے اسی رسالے کے آخر میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مناسکِ حج میں "رمیِ جمار" کا اضافہ واقعۂ فیل کے بعد اسی کی یادگار کے طور پر کیا گیا اور اسلام نے اسے باقی رکھا۔ اس پر راقم نے ایک دوسرے مقالہ میں بحث کی ہے جو "مناسکِ حج کی تاریخ" کے عنوان سے ماہنامہ حیاتِ نو، اعظم گڑھ کے مئی، جون اور جولائی ۱۹۹۶ء کے شماروں میں شائع ہوگیا ہے۔

واللہ ولی الحق وھو ھادی السبیل۔

> حقیقت یہ ہے کہ عدل ہی اسلام کا مقصود ہے اور اسلام آیا ہی اس لیے ہے کہ عدل قائم کرے۔ اللہ فرماتا ہے — "ہم نے اپنے رسولوں کو روشن نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ انسان انصاف پر قائم ہوں اور ہم نے لوہا اتارا جس میں سخت طاقت اور لوگوں کے لیے فوائد ہیں تاکہ اللہ یہ معلوم کرے کہ کون بے دیکھے اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔ یقیناً اللہ قوی اور زبردست ہے" (سید ابوالاعلیٰ مودودی)

صحیح بخاری، کتاب المغازی

قاضی زین العابدین —————— استاذ جامعۃ الفلاح
(شعبۂ انگریزی کا دیباچہ)

جامِ نفرت!

جام نفرت طلبہ کو پلا کر انکے معصوم ذہنوں کو مسموم کرنے کی مذموم کوشش!!

مضمون کے ہر جزء سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

بورڈ آف سیکنڈری و ہائر سیکنڈری ایجوکیشن پونہ (مہاراشٹر) کے بارہویں جماعت کا ضمنی امتحان ۲ اکتوبر ۱۹۸۵ء کو ہوا۔ اس مضمون میں ضمنی امتحان کے انگریزی پرچہ کا سوال نمبر ۶ موضوع بحث ہے۔ جس سے ممتحن کی اسلام دشمنی صاف عیاں ہے۔

ذیل میں انگریزی زبان کا سوال نمبر ۶ ہو بہو نقل کیا جا رہا ہے نیز اس اقتباس کا اردو زبان میں ترجمہ کرنے کے بعد راقم الحروف ان سوالات کے جوابات تاریخ و حقائق کی روشنی میں اختصار کے ساتھ پیش کر رہا ہے۔

Q.6. – Read the passage carefully and answer briefly the questions that follow.

"It is a fact that sometimes religion leads to unity, but at other times it provokes disunity. Islam has been such a factor of dual character in Afro Asian nationalism. In India, Jinnah and his followers insisted that the Muslims were a nation by themselves and demanded Pakistan and obtained it. Pakistan had two wings, namely,

West Pakistan and East Pakistan. The wings were separated by thousands of miles. Yet Islam was regarded a strong enough bond to keep them together. Later history proved this contention wrong. In the Middle East many Arab leaders aimed at establishing a Muslim State consisting of several areas in Arabian and North Africa. This object was not achieved because of political and other differences among the Muslim of these areas.

(i) What dual character does Islam show in Afro-Asian nationalism?

(ii) What did Jinnah and his followers insist?

(iii) What did later history prove?

(iv) What did the Arab leaders in the Middle East aim at?

(v) What did the attempts to establish a Muslim State fail?

سوال نمبر ۶ ۔ "اقتباس غور سے پڑھیے اور نیچے دیے ہوئے سوالات کے جوابات اختصار کے ساتھ تحریر کیجیے"۔

"یہ ایک حقیقت ہے کہ بعض اوقات مذہب اتحاد کی جانب رہنمائی کرتا

ہے لیکن دوسرے مواقع پر یہ افتراق کو اشتعال دلاتا ہے۔ اسلام افریقی ایشیائی قومیت میں ایک ایسے ہی دوہرے کردار کا سبب رہا ہے۔ ہندوستان میں جناح اور ان کے پیروکاروں نے اصرار کیا کہ مسلمان بذات خود ایک قوم تھے اور انہوں نے پاکستان کا مطالبہ کیا اور اسے حاصل کیا۔ پاکستان کے دو بازو بنام مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان تھے۔ دونوں بازو ہزار ہا میلوں کی مسافت سے علیحدہ کئے گئے تھے۔ پھر بھی انہیں باہم ایک دوسرے کے ساتھ رکھنے کے لئے اسلام کو ایک کافی مضبوط بندھن خیال کیا گیا۔ بعد کی تاریخ نے اس حجت و دلیل کو غلط ثابت کیا۔ مشرق وسطیٰ میں کئی عرب رہنماؤں نے عرب اور شمالی افریقہ کے تمام علاقوں پر مشتمل ایک مسلم ریاست کے قیام کا مقصد و مدعا ظاہر کیا۔

یہ مقصد ان علاقوں کے مسلمانوں کے درمیان سیاسی اور دیگر اختلافات کی وجہ سے حاصل نہ ہو سکا۔

(i) اسلام افریقی ایشیائی قومیت میں کون سا دوہرا کردار ظاہر کرتا ہے؟

(ii) جناح اور ان کے پیروکاروں نے کس بات پر اصرار کیا؟

(iii) بعد کی تاریخ نے کیا ثابت کیا؟

(iv) مشرق وسطیٰ میں عرب رہنماؤں کا کیا مقصد تھا؟

(v) مسلم ریاست کے قیام کی کوشش کیوں ناکام رہی؟"

مندرجہ بالا اقتباس اور اس پر مشتمل سوالات غیر مسلم ممتحن کی اسلام دشمنی کا کھلا ثبوت ہیں۔ ہمارے شہر میں ہزار ہا مسلم طالب نے یہ پرچہ حل کیا ہوگا اور صرف نمبرات حاصل کرنے کیلئے ممتحن کی مین خواہش کے مطابق جوابات بھی تحریر کیا ہوگا لیکن راقم الحروف بھی ان سوالات کے جوابات تاریخ اور حقائق کی روشنی میں انتہائی اختصار کے ساتھ دے رہا ہے۔

سوال نمبر ۱ کا جواب: سوال کیا گیا ہے کہ "اسلام افریقی ایشیائی قومیت میں کون سا دوہرا کردار ظاہر کرتا ہے؟"

اسلام نے افریقی و ایشیائی قومیت میں دوہرا کردار کبھی پیش نہیں کیا۔ اسلام اتحاد کی تلقین کرتا ہے اور افتراق کو اشتعال نہیں دلاتا۔ اسلام اندرونی قومیت کو نہیں بلکہ بین الاقوامیت کا حامی ہے۔ اسلام دوسرے کردار کو منافقانہ طرز عمل تصور کرتا ہے اور منافقوں کا ٹھکانا جہنم قرار دیتا ہے۔

اسلام "مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں" کی تعلیم دیتا ہے لہذا اسلام نے افریقی و ایشیائی قومیت میں دوہرا کردار یعنی منافقانہ طرز عمل کبھی پیش ہی نہیں کیا۔ اسلام محدود قومی نظریہ کو انسانیت کے لئے ایک لعنت سمجھتا ہے۔ پہاڑوں دریاؤں اور خشکی پر انسانوں کی خود ساختہ ملکوں کی سرحدوں میں محدود مختلف ممالک کی قوموں نے انسانوں کو چھوٹے چھوٹے گروہوں میں بانٹ دیا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ یہی تنگ نظر قومیت، مغربی جمہوریت، اشتراکیت جو لادینی نظریہ کی حامل ہے اور مادیت کے ان نظاموں نے صرف دو عالمگیر جنگوں میں سات کروڑ افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے آج روس افغانستان کے مسلمانوں کا قتل عام کر رہا ہے اس سے پہلے امریکہ نے فلسطین میں یہودیوں کی ریاست قائم کروا کر عربوں کا قتل عام کروایا۔ انگریزوں نے خلافت عثمانیہ کو ختم کر کے عربوں کو ترکوں کے خلاف اور ایرانیوں کو عربوں کے خلاف کھڑا کر دیا نیز عرب ممالک سے الگ تھلگ کروا دیا اور لیبیا کو عرب ممالک کا دشمن بنا دیا اور حقیقت حال یہی ہے کہ ایران و عراق کی طویل جنگ کے پیچھے امریکہ اور روس کا ہاتھ ہے آج امریکی بحری بیڑہ خلیجی ممالک کی پشت پناہی کا بہانہ بنا کر وہاں لنگر انداز ہے۔ المختصر اسلام نہیں بلکہ روس اور امریکہ افریقی ایشیائی قومیت میں دوہرا کردار پیش کر رہے ہیں۔

سوال نمبر ۲ کا جواب: سوال کیا گیا ہے کہ "جناح اور ان کے پیروکاروں نے کس بات پر اصرار کیا؟"

بقول ممتحن "ہندوستان میں جناح اور ان کے پیروکاروں نے اصرار کیا کہ مسلمان بذات خود ایک قوم تھے اور انہوں نے پاکستان کا مطالبہ کیا اور اسے حاصل کیا۔"

جناح نے واقعی اس بات پر اصرار کیا کہ مسلمان بذات خود ایک قوم ہے کیونکہ وہ وحدت کے پرستار ہیں اور جارحانہ ہندو ذہنیت سے بچنے کے خاطر برصغیر ہندوستان

کے تمام مسلمانوں کو اگر محفوظ نہ رکھ سکیں تو کم از کم ان صوبوں کے مسلمانوں کی حفاظت کر سکیں جہاں کہ وہ اکثریت میں تھے اور اس طرح مملکت پاکستان کے قیام پر انہوں نے اصرار کیا اور اسے حاصل کر کے دکھا دیا۔

جہاں تک یہ الزام ہے کہ جناح اور ان کے پیروکاروں نے پاکستان بنوایا اور برصغیر ہندوستان کے ٹکڑے ٹکڑے کروا دیا اور یہ کہ اسلام افتراق کا قصوروار کہہ کر پیش کرتا ہے، اس کا جواب غیر مسلموں کی زبانی سنیئے۔ — ڈاکٹر مسیر انیم نے اسی ماہ نومبر ۱۹۸۷ء میں حیدرآباد میں برسرِعام اس بات کو غلط بتایا کہ مسلمان قیام پاکستان کے ذمہ دار ہیں۔ اسی طرح آنجہانی راجگوپال آچاریہ ہندوستان کے سابق گورنر جنرل جو پہلے ہندوستانی تھے اور جنہوں نے پاکستان کے قیام کو تسلیم کیا، اور ہندوستان کے متعصب ہندوؤں پر الزام لگایا کہ ان کی مسلم اور اسلام دشمنی ہی پاکستان کے قیام کے مطالبہ کا سبب بنی۔ نیز پاکستان کا قیام انگریز حکمرانوں کی ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو کی پالیسی اور ان کی گہری سازش کا نتیجہ تھا۔ اسی لئے انہوں نے ہندوستان کو آزاد ضرور کیا لیکن ٹکڑے ٹکڑے کر کے آزادی دی۔

المختصر انگریز حکمران اور متعصب ہندو قیام پاکستان کے ذمہ دار ہیں نہ کہ جناح اور ان کے پیروکار۔ جہاں تک ہندوستان کے دیگر مسلمانوں کا تعلق ہے وہ مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسین احمد مدنی اور ڈاکٹر ذاکر حسین سابق صدر ہند کے پیروکار ہیں اور آج بھی ہندوستان میں مسلمانوں کی تقریباً پندرہ کروڑ کی آبادی پاکستان اور بنگلہ دیش کی مجموعی آبادی کے برابر ہے اور ہندوؤں سے زیادہ ہر لحاظ سے ملک کے وفادار ہیں۔

سوال نمبر ۳ کا جواب: سوال کیا گیا ہے کہ (مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان بننے کے بعد) بعد کی تاریخ نے کیا ثابت کیا؟

بقولِ متعین —— پاکستان کے دونوں بازو مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان ہزاروں میل کی مسافت سے علیحدہ تھے پھر بھی انہیں ایک ساتھ باہم رکھنے کیلئے اسلام کو ایک کافی مضبوط بندھن تصور کیا گیا۔ بعد کی تاریخ نے اس حجت و دلیل کو غلط ثابت

کیا۔ تاریخ متعین کو معلوم ہونا چاہیے کہ عوام کا ذہن اتنا کمزور نہیں ہے کہ وہ تازہ ترین واقعات کو فراموش کر دے۔

۱۔ اولاً بعد کی تاریخ نے ثابت کیا کہ خودغرض سیاستدان ذوالفقار علی بھٹو نے ایک سازش کے تحت جو انہوں نے یحییٰ خان کے ساتھ کی تھی اور فوج کو غلط طریقہ پر مشرقی پاکستان میں استعمال کیا کیونکہ بھٹو صاحب کی پیپلز پارٹی کا مشرقی پاکستان میں کوئی وجود نہیں تھا اور وہ جانتے تھے کہ وہ متحدہ پاکستان میں حکومت نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے حالات ایسے پیدا کئے کہ مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائی کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا۔ اس طرح بھٹو صاحب نے اپنی غرض کی خاطر مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائی کرا کے پاکستان کو توڑا۔ انہوں نے شیخ مجیب الرحمٰن کو گرفتار کروایا اور مشرقی پاکستان میں لاکھوں جانیں ضائع کرائیں اور پھر اقلیت پارٹی کے لیڈر ہوتے ہوئے ایک مصنوعی اکثریت بنا کر تقسیم شدہ پاکستان کے وزیر اعظم بن بیٹھے۔

۲۔ ثانیاً نیز بعد کی تاریخ نے یہ ثابت کیا کہ ۲۴ سال تک مغربی پاکستان کے لوگوں اور ان کے لیڈروں نے مشرقی پاکستان کے عوام کا استحصال کیا۔ پٹ سن (جوٹ) سے کروڑوں روپے کے زرمبادلہ کی ۷۰ فیصد رقم مغربی پاکستان پر خرچ کی جاتی رہی۔ فوج میں پنجابیوں کو اولیت دی جاتی رہی۔ مرکزی دفاتر میں بھی مشرقی پاکستان کے عوام کی نمائندگی نہ ہونے کے برابر تھی۔ صنعت و حرفت، زراعت اور دیگر ترقی کے منصوبوں پر مغربی پاکستان ہی کو اولیت دی اور مشرقی پاکستان کو نظر انداز کیا جاتا رہا اور بھٹو کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے مجبور ہو کر شیخ مجیب الرحمٰن اور ان کے ساتھیوں نے ہندوستان کے ساتھ مل کر گہری سازش کی اور بنگلہ دیش کو آزاد کرانے کی کوشش کی۔

۳۔ ثالثاً بعد کی تاریخ نے یہ ثابت کیا کہ ہندوستان کے سابق وزیر اعظم آنجہانی اندرا گاندھی نے موقع سے فائدہ اٹھا کر ہندوستان کی مسلح فوج مکتی باہنی کی مدد کیلئے مشرقی پاکستان میں بھیجا اور پاکستان کی فوج کو شرمناک شکست دے کر ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا۔ جنرل نیازی مع ۹۰ ہزار پاکستانی سپاہی جنگی قیدی بنا لئے گئے۔ اور اس طرح سازش کے ذریعہ مغربی پاکستان سے مشرقی پاکستان کو توڑ کر بنگلہ دیش بنا دیا گیا۔ پاکستان کو کمزور کرنے کا یہ بہترین منصوبہ تھا۔

۴۔ رابعاً بعد کی تاریخ نے ثابت کیا کہ خودغرض لیڈر بھٹو جن کی سازش سے مشرقی پاکستان

[illegible] عبرت ناک سزا دی اور دنیا نے دیکھا کہ انہیں تختۂ دار پر چڑھا دیا گیا ہے۔

"چاہ کن را چاہ در پیش"

پھر مابعد کی تاریخ نے ثابت کیا کہ بنگلہ دیش بنانے والے بنگ بندھو شیخ مجیب الرحمٰن کو ان ہی کے گھر میں ان کے خاندان کے افراد کے ساتھ گولیوں کا نشانہ بنا دیا گیا۔ قدرت نے ان سے بہت جلد انتقام لے لیا۔

پھر مابعد کی تاریخ نے یہ بھی ثابت کیا کہ مشرقی پاکستان کو توڑ کر بنگلہ دیش بنانے کی سازش میں بھارت کے عظیم ملک کی عظیم وزیر اعظم آنجہانی اندرا گاندھی کو بھی قدرت نے گولیوں کا نشانہ بنا دیا۔ اس طرح مشرقی پاکستان کو توڑنے کی سازش میں تینوں ملکوں بنگلہ دیش، مغربی پاکستان اور ہندوستان کے تینوں عظیم رہنماؤں کے ساتھ قدرت نے انتہائی عجیب انداز میں انتقام لیا!!! "فاعتبروا یا اولی الابصار"

سوال نمبر ۴ کا جواب: سوال کیا گیا ہے کہ مشرق وسطیٰ میں کئی عرب رہنماؤں کا کیا مقصد تھا؟

بقول محقق "مشرق وسطیٰ میں کئی عرب رہنماؤں نے عرب اور شمالی افریقہ کے کئی علاقوں پر مشتمل ایک مسلم ریاست کے قیام کا مقصد ظاہر کیا۔"

حقیقت حال یہ ہے کہ مشرق وسطیٰ میں دنیائے اسلام کے رہنماؤں کا مقصد پاکستان، افغانستان، ایران، عرب، خلیجی ممالک، عراق، یمن، شام، عمان، فلسطین، ترکی، مصر، سوڈان اور لیبیا سے لیکر مراکش تک مسلم اسٹیٹ نہیں بلکہ خلافت اسلامیہ قائم کرنا ہے، اور اس طرح مشرق وسطیٰ میں اسلامی ریاست کو دنیا کی تیسری سپر پاور (Super Power) بنانا ہے اور انشاء اللہ یہ اسلامی ریاست ہی دنیا میں توازن قوت برقرار رکھ سکے گی اور دنیا میں امن و امان قائم کر سکے گی۔

سوال نمبر ۵ کا جواب: سوال کیا گیا کہ "مسلم ریاست کے قیام کی کوشش کیوں ناکام رہی؟"

بقول محقق "مسلم ریاست بنانے کی کوشش اس لئے ناکام رہی کہ یہ مقصد ان علاقوں کے مسلمانوں کے درمیان سیاسی اور دیگر اختلافات کی وجہ سے حاصل نہ ہو سکا۔"

محقق نے خود اس بات کا اقرار کیا ہے کہ اسلام کے ٹھیکیداروں کے منافقانہ طرز عمل کی

وجہ سے نہیں بلکہ عرب اور افریقی ممالک کے سربراہوں کے آپسی اختلافات اور سیاسی اختلافات کی وجہ سے یہ مقصد حاصل نہ ہو سکا۔

حقیقت حال یہ ہے کہ دنیا کی دونوں عظیم طاقتیں روس اور امریکہ مسلمانوں کے آپسی اتحاد اور عظیم اسلامی ریاست کے قیام کے تصور سے لرزہ براندام ہیں۔ اس لئے وہ اسلامی ممالک کے درمیان باہمی دوستانہ تعلقات استوار ہونے دینا نہیں چاہتے۔

حقیقت حال یہ ہے کہ برطانیہ اور یورپ کے ممالک نے خلافت عثمانیہ کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی سازش کی اور اس میں انہیں کامیابی نصیب ہوئی۔ انہوں نے عربوں کو ترکوں کے خلاف ورغلایا اور خلافت عثمانیہ کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی۔ انہوں نے ایران کو عربوں کا دشمن بنا دیا، لیبیا کو بھی عرب ممالک کا دشمن بنا دیا، مصر کو بھی عرب ممالک کی لیڈری سے علیحدہ کر دیا، اور عرب اور افریقی ملکوں میں محدود قومیت یعنی نیشنلزم کے سبز باغ دکھائے نتیجہ یہ نکلا کہ کرنل ناصر کی زبان سے یہاں تک کہلوا دیا کہ "ہم فراعنہ مصر کی اولاد ہیں، اور ہم قدیم مصر کی عظمت کے وارث اور پاسدار ہیں"

کاش! کرنل ناصر کو یہ معلوم ہوتا کہ ملوکیت کی بھیانک تصویر فرعون مصر تھا وہ عوام سے بیگار لیتا، سیاسی رشوتیں دیتا اور لوگوں کے ضمیر خریدتا تھا۔ یہ ہے فراعنہ مصر کا راستہ جس پر آج کل مصر کی سیاست چلائی جا رہی ہے جو اسلامی تعلیمات کو ترک کر کے "الاخوان المسلمون" کا قتل عام کر کر اور "اخوان الشیاطین" بن کر قبیح ترین اور جابرانہ نظام جسے "فرعون ازم" کہا جاتا زیادہ موزوں ہے آج مصر اسی پالیسی پر گامزن ہے یہ ہے اسلام بیزاری کا نتیجہ جس کی وجہ سے وہ عرب برادری سے الگ تھلگ کر دیا گیا ہے۔

اسی طرح امریکہ نے فلسطین میں یہودیوں کی حکومت قائم کر کے عربوں کی نیند حرام کر دی ہے، اور اسی اسرائیل کے ذریعہ ہزارہا فلسطینیوں، عربوں، مصریوں، عراقیوں اور شامیوں کو قتل کروا دیا، اور تنظیم آزادی فلسطین کے صدر یاسر عرفات کو در بدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کر دیا اور اس طرح اسرائیلی حکومت کا قیام عظیم اسلامی ریاست کے قیام کی راہ میں زبردست روڑا بنا ہوا ہے۔

اسی طرح روس دسمبر ۱۹۷۹ء سے افغانستان پر گذشتہ آٹھ سال سے ناجائز قبضہ جمائے ہوئے ہے۔ ۵۰ لاکھ افغانیوں کو ان کے گھروں سے نکال کر مہاجرین کی سی زندگی گذارنے پر مجبور کر دیا ہے انہیں بھی ہے کہ ہزار افغان مجاہد جان کی بازی لگا کر اس سوپر پاور سے زبردست ٹکر لے ہوئے ہیں اور روس اور اس کی قائم کردہ کٹھ پتلی کابل کی حکومت کو ناکوں چنے چبوا رہے ہیں

آج روس کے رہنما اپنے کئے پر پچھتا رہے ہیں اور "نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن" کی مثال بن گئے ہیں۔ افغانستان کی طویل آٹھ سالہ جنگ نے خود روس کی معیشت پر زبردست برا اثر ڈالا ہے اور اسی ماہ نومبر ۱۹۸۷ء میں روس کی ۷۰ ویں عظیم سالگرہ کے موقع پر یہ تسلیم کیا گیا کہ روس میں روٹی کا مسئلہ اور عوام کا معیار زندگی بلند کرنے کا مسئلہ ابھی تک حل نہیں ہوا ہے۔ اور یہ کہ جمہوریت کو روس میں فروغ دینا ہوگا۔

یہ ہے مادہ پرستی کمیونزم کا ۷۰ سالہ انجام! یہ ہے مزدوروں کی حکومت کا دور!! یہ ہے روٹی کو سب کچھ اور مذہب کو افیون سمجھنے کی عبرتناک سزا!! یہ ہے افغان مجاہدین کی ضرب کاری کا نتیجہ!!! مجاہدین نے روسیوں کو بھی جس طرح یہ سبق سکھا دیا کہ ؎

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ ★ مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

اسی طرح امریکہ اور روس کی سازشوں کی وجہ سے ایران و عراق کی جنگ گذشتہ ۷ سال کے عرصہ میں سرد نہیں ہو سکی ہے۔ خلیجی ممالک کی پشت پناہی کا بہانہ بنا کر امریکہ کا بحری بیڑہ لنگر انداز ہے اور ایران کی مکمل طور پر ناکہ بندی کئے ہوئے ہے۔

اسی طرح امریکہ اعلان جنگ کے بغیر اور بین الاقوامی اصولوں کو پامال کرتے ہوئے ایران و عراق کی جنگ میں عملی طور پر شریک ہو رہا ہے۔

المختصر برطانیہ، روس اور امریکہ کی مسلسل کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ دنیائے اسلام کے بیشتر اسلامی ممالک کے درمیان باہمی اتحاد پیدا نہ کر سکے اور اسلامی سیاست اور مسلم ریاست کے قیام کی کوئی کوشش نہ کامیاب ہو سکی۔ اس میں ممتحن کے قول کے مطابق اسلام کے ابھرنے کے کردار کا سوال ہی نہیں ہوتا۔

آخر میں میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہندوستان میں یکجہتی کس طرح اور کیوں کر پیدا کی

جا سکتی ہے جب کہ ہماری دانش گاہوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں متعصب افراد ہوتے ہیں جو طلباء کو جا بجا نفرت پھیلا کر ان کے معصوم ذہنوں کو مسموم کرنے کی مذموم کوشش کر رہے ہیں۔ ان کی اسلام اور مسلمانوں سے کھلی دشمنی ملک کو کمزور بنا دے گی۔

پنجاب کے سکھ، آسام اور ناگالینڈ کے باغی حکومت کیلئے ایک مسئلہ بن گئے ہیں کیا یہ متعصب ممتحن ۱۵ کروڑ مسلمانوں کو بھی حکومت کا باغی بنانے پر تلے ہوئے ہیں؟ لیکن مسلمانوں کو انتہائی صبر و برداشت سے کام لینا ہے اور حق گوئی و بے باکی کو اپنا شیوہ بنانا ہے۔

نیز قارئین کرام سے عرض ہے کہ وہ ممتحن کے سوال نمبر ۳ کے اقتباس اور اس پر مشتمل سوالات پر اپنے خیالات کا اظہار انگریزی زبان کے مختلف اخبارات میں کریں اور از راہ کرم ان اخبار کا تراشہ راقم الحروف کو بھیج کر مشکور فرمائیں تاکہ انکی Zerox کاپیاں لگا کر حکومت مہاراشٹرا اور مرکزی حکومت دہلی کے ذمہ داروں تک بذریعہ رجسٹرڈ پوسٹ بھجوائی جائیں

غزل

تابش مہدی

راہزن ہیں بہت کوئی رہبر نہیں
اب بھروسہ کسی کو کسی پر نہیں

بجلیاں ڈھونڈتی پھر رہی ہیں جسے
وہ مرا آشیاں ہے ترا گھر نہیں

کتنا مہمل ہے دعویٰ یہ نقش کا
آئینہ ہے مگر آئینہ گر نہیں

فیصلہ اب ہے میدان کے ہاتھ میں
یا مرا سر نہیں یا ترا سر نہیں

در ہے جس پہ میری جبیں جھک سکے
تیرے در کے سوا اب کوئی در نہیں

بچ کے تابش سے چلتے ہو کیوں ساہو
ایک شاعر ہے کوئی گداگر نہیں

مسیح الزماں فلاحی

سید قطب شہیدؒ کا نظریۂ اعجاز القرآن

سید قطب شہیدؒ کی علمی و تحریکی زندگی:

سید قطب شہید کے حالات زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو دو چیزیں نمایاں طور سے سامنے آتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ انہوں نے پوری زندگی قرآن کریم سے والہانہ شغف اور غایت درجہ محبت و شیفتگی کا رشتہ استوار رکھا اور اس کی وسعتوں اور گہرائیوں اور اس کے معانی کے سمندر میں پوری محنت و جانفشانی کے ساتھ شناوری کرتے اور فن و بلاغت اور ادبی حسن و جمال کے گوہر ہائے نایاب اخذ کرتے رہے۔ قرآن مجید سے ان کی اس درجہ دلچسپی اور عمیق مطالعہ کی سب سے بڑی دلیل ان کی شاہکار ادبی تفسیر "فی ظلال القرآن" ہے جس میں انہوں نے نہایت دقت نظر اور ژرف نگاہی سے قرآن کے معانی و مطالب کے ساتھ ساتھ اس کے فنی محاسن اور ادبی کمالات کی طرف اشارہ کیا ہے، نیز بیشتر مقامات پر شرعی احکامات کی حکمت و مصلحت اور ان کے اسرار و رموز بیان، مطالعہ قرآن کے دوران ان پر جو احساسات طاری ہوئے اور انہیں نہایت بلند پایہ ادبی اسلوب میں پیش فرمایا ہے، اور ساتھ ہی ساتھ اصلاح و دعوت اور تبلیغ و تذکیر کے دوسرے تمام سا پہلوؤں کو بھی اجاگر کیا ہے۔

آپ کی دوسری اہم تصنیف "مشاہد القیامۃ فی القرآن" ہے جس میں آپؒ نے ایک صاحب طرز ادیب کی حیثیت سے مناظر قیامت کی ایسی نقشہ کشی کی ہے کہ پڑھنے والا محسوس کریگا کہ قیامت کی ہولناکیوں، سنگینیوں اور سراسیمگیوں کی تصویر اس کی نگاہوں سے گزر رہی ہے اور گویا ان مناظر کا وہ بچشم خود مشاہدہ کر رہا ہے۔ اسی طرح آیات جنت کا مطالعہ کرتے ہوئے جنت کے لذائذ اور اعلیٰ نعمتوں اور آیات دوزخ پڑھتے ہوئے جہنم کی شعلہ فشانیوں کو بھی محسوس کر سکتا ہے۔ یہ کتاب نہ صرف دعوت و تبلیغ کے نقطہ نظر سے اپنی مثال آپ ہے بلکہ ادب و فن کے شہ پاروں کا بھی مجموعہ ہے۔ اس کتاب کے مطالعے کا دینی فائدہ یہ ہے کہ ایک مسلمان کا آخرت پر ایمان مزید مستحکم اور خدا کے حضور اپنے اعمال کی جوابدہی کا احساس شدید ہو جاتا ہے۔

سید قطبؒ کی دوسری معروف اور شاہکار تصنیف "التصویر الفنی فی القرآن" ہے جس میں آپؒ نے قرآن مجید کے فنی محاسن اور اس کے حسن تعبیر کی خوبیوں کو واشگاف کیا ہے۔ قرآن کی سحر آفرینی کا سرچشمہ، صدیوں میں قرآن کیسے سمجھا گیا، مناظر کی فنی تصویر کشی، تخییل حسی اور تجسیم، فن کے لحاظ سے نظم کلام، قرآنی قصے، قرآنی مرقع کشیوں کے اغراض و مقاصد، قصہ گوئی میں فن اور دین کا امتزاج، قصہ گوئی کے فنی خصائص، قصص میں واقعہ نگاری، قرآن کے انسانی نمونے، وجدانی منطق اور قرآن کے اسلوب دعوت وغیرہ عنوانات سے قرآن مجید کی فنی خوبیوں کو آیات کی روشنی میں نہایت جامعیت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

سید قطبؒ نے اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر انشا پردازی اور اسلوب نگارش کو ادب کے رنگا رنگ پھولوں سے آراستہ کر دیا ہے اور اسے فنی حسن و جمال کی ایسی چاشنی دی ہے جس کی حلاوت صرف عربی داں طبقہ ہی محسوس کر سکتا ہے۔ آپ نے ادبی ذوق کی سیرابی، اسالیب بلاغت اور اصول اعجاز کی جستجو میں قرآن کا مطالعہ کیا اور اسی مطالعے کے دوران اللہ تعالیٰ نے آپ پر اپنی حکمت و معرفت کے دروازے بھی کھول دیئے۔ یہ سیدؒ صاحب کے اخلاص اور سچی طلب کا نتیجہ ہے کہ قرآن نے آپ کو ادب کے لازوال خزانے سے نوازا اور ہدایت کا ابدی نور بھی عطا فرمایا ہے۔

جمیع العلم فی القرآن لکن * تقاصر عنہ افہام الرجال [1]

سید قطب شہیدؒ کی زندگی کا دوسرا نمایاں پہلو وہ ہے جو الاخوان المسلمون سے وابستگی، اس کی علمی فکری خدمات، اس راہ میں ابتلا و آزمائش، تعذیب و تشدد اور بالآخر تختہ دار چوم لینے کی داستان پر مشتمل ہے۔ ۱۹۴۵ء سے قبل آپ نے اخوان کی دعوت، نصب العین اور اس کے طریقۂ کار کا مطالعہ شروع کیا تھا اور بالآخر اس سے منسلک ہو گئے۔ جمال عبد الناصر کے دور میں جب ایک جعلی سازش کے نتیجہ میں حکومت مصر نے اخوانی رہنماؤں کو گرفتار کرنا شروع کیا اور اس کے کارکنوں کی عزت و آبرو اور جان و مال پر دست درازی کرنے لگی تو ان گرفتار شدگان میں سید قطب شہیدؒ بھی تھے۔ آپ پر ظلم و ستم اور تعذیب و تشدد کے وہ

[1] جادہ و منزل از خلیل حامدی

پہاڑ ٹوٹ پڑے کہ کر ان المناک واقعات کو پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور ان سب کے باوجود راہ حق میں آپ کی ثابت قدمی و پامردی، صبر و عزیمت، پوری خندہ پیشانی سے آپ کا ان تمام مصائب و آلام کو انگیز کرتے رہنے اور حق بات کے برملا اظہار اور باطل کے سامنے سرنگوں نہ ہونے کی داستان پڑھتے ہوئے بے اختیار یہ شعر زبان پہ آجاتا ہے۔

اُف یہ جادہ کہ جسے دیکھ کر جی ڈرتا ہے * کیا مسافر تھے جو اس راہ گذر سے گذرے

ان تمام مشقت در ابتلاء و آزمائش کے دور میں بھی سید قطب شہیدؒ نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ منقطع نہیں کیا اور پس دیوار زنداں بھی آپ کی علمی و دینی خدمات پیہم جاری رہیں۔ اپنی تفسیر "فی ظلال القرآن" کی تکمیل آپ نے جیل ہی میں کی، زندگی کے آخری ایام میں جب آپ کی شاہکار تصنیف "معالم فی الطریق" منظر عام پر آئی اور خاص و عام میں کافی مقبولیت سے ہمکنار ہوئی اس وقت مصری حکومت کی جانب سے آپ پر یہ الزام عائد کیا گیا کہ اس کتاب کے ذریعے آپ مصر میں انقلاب برپا کرنے کی تیاری کر رہے تھے چنانچہ آپ کو گرفتار کر لیا گیا اور مقدمے کی فرد قرارداد جرم اسی کتاب کے مضامین سے تیار کی گئی۔ اگست ۱۹۶۶ء میں سید قطبؒ کو ان کے دو ساتھیوں سمیت فوجی ٹریبونل کی جانب سے سزائے موت کا فیصلہ سنایا گیا، اس سزا پر پوری دنیا کے اندر شدید ردعمل ہوا، دینی رہنماؤں اور سیاسی شخصیتوں کی طرف سے سزا میں تبدیلی کی درخواست کی گئی مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی اور بالآخر ۲۵ اگست ۱۹۶۶ء کی صبح سید قطب اور ان کے دونوں ساتھی تختۂ دار پر لٹکا دیئے گئے[۱] انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سید قطب شہیدؒ کا نظریۂ اعجاز القرآن:-

سید قطبؒ نے چونکہ قرآن مجید کا براہ راست مطالعہ کیا اور اپنی پوری زندگی اس پر غور و تدبر کرتے رہے اس لئے اس موضوع پر ان کا قلم بڑی روانی خود اعتمادی اور وقت نظر کے ساتھ چلتا نظر آتا ہے۔ سید صاحبؒ نے قرآن مجید کے اعجاز کا جو نقطۂ نظر پیش فرمایا ہے وہ ان کے قرآن پر گہرے غور و فکر اور تدبر کا نتیجہ ہے مذکورہ بالا

(۱) حوالہ مذکور

کتاب "التصویر الفنی فی القرآن" کا مرکزی اور بنیادی موضوع قرآن مجید کے اعجاز کے اسی نقطہ کے گرد گھومتا ہے۔ زیر نظر مقالے میں اسی کتاب کی سب سے اہم بحث "التصویر الفنی" کی روشنی میں سید قطبؒ کے تصور اعجاز القرآن کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس کتاب کی ابتدا میں سید صاحبؒ نے قرآن مجید کے ساتھ اپنے بچپن اور نوجوانی کی ایک سرگزشت بیان کی ہے جس سے یہ حقیقت واشگاف انداز میں سامنے آتی ہے کہ کس طرح آپ پر قرآن مجید کے فنی محاسن اور اس کے طرز تصویر کے راز منکشف ہوتے یہ واقعہ بڑے دلچسپ بھی ہے اس لئے اس کا نقل کرنا فائدے سے خالی نہ ہوگا فرماتے ہیں کہ:

"جب میں ایک ننھا سا بچہ تھا اور قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتا تھا اور میرا ذہن اس کے معنی کو سمجھنے اور گہرائیوں میں اترنے اور اس کے عظیم مقاصد کو سمجھنے سے قاصر تھا اس وقت بھی میں اس کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور اخذ کر لیتا۔

قرآن مجید کے اسلوب بیان اور طرز تعبیر سے میرے ننھے سے معصوم تخیل میں بعض سادہ سی تصویریں مجسم شکل میں نمودار ہوا کرتی تھیں جن سے طبیعت میں ایک گونہ اشتیاق اور لطف پیدا ہوتا، چنانچہ میں شاداں و فرحاں ان سے دیر تک لطف اندوز ہوتا رہتا۔

انہیں سادہ سی تصویروں میں سے ایک تصویر میرے تخیل میں اس وقت مرتسم ہوا کرتی جب میں اس آیت کی تلاوت کرتا "ومن الناس من یعبد اللہ علی حرف فان اصابہ خیر اطمان بہ وان اصابتہ فتنۃ انقلب علی وجھہ خسر الدنیا والاخرۃ" سورۃ الحج آیت ۱۱

فرماتے ہیں کہ:

میرے تخیل میں ایک ایسے شخص کی تصویر ابھرتی نظر آتی جو کسی بلند مقام کے بالکل کنارے پر کھڑا ہوتا ہے۔ ایک بوتے سے یہ جب کہ میں اپنے گاؤں میں تھا یہ کسی ٹیلے کی مانگ جیسے چوٹی پر جب کہ ان نے وادی سے قریب ہی ایک ٹیلہ دیکھ لیا تھا۔ وہ شخص کھڑا تو نظر آتا تھا لیکن اسے اپنے موقف پر جماؤ اور ثبات

حاصل نہ تھا وہ مسلسل جنبش کرتا رہتا اور گرجا جاتا تھا۔ میں اس کے بالمقابل کھڑا ہو کر بڑے انہماک اور دلچسپی سے اس کی حرکتوں کا جائزہ لیتا رہتا۔

اسی طرح کی ایک تصویر میری نگاہوں کے سامنے اس وقت نمودار ہوتی جب میں اس آیت کی تلاوت کیا کرتا تھا:

"واتل علیهم نبأ الذی آتینٰه آیٰتنا فانسلخ منها فاتبعه الشیطٰن فکان من الغاوین ۔ ولو شئنا لرفعنٰه بها ولکنه اخلد الی الارض واتبع هواه فمثله کمثل الکلب ان تحمل علیه یلهث او تترکه یلهث"

(سورۃ الاعراف ۱۷۵-۱۷۶)

اس آیت کے معنی و مطلب سے نابلد تھا، البتہ میرے تخیل میں ایک ایسے شخص کی شکل ظہور پذیر ہوتی جو منہ کھولے زبان لٹکائے مسلسل ہانپ رہا ہوتا، میں اس کے سامنے کھڑا اس سے ایک لمحہ بھی نگاہ نہ ہٹاتا، لیکن اس کے ہانپنے کی وجہ سمجھ میں نہ آتی اور نہ اس سے قریب جانے ہی کی ہمت ہوتی تھی۔

اس طرح کی متعدد شکلیں میرے ننھے منے سے تخیل میں مرتسم ہو کر رہیں اور میں انہیں بغور دیکھ کر لذت اندوز ہوتا، اس لئے قرآن مجید کی تلاوت کا اشتیاق اور زیادہ بڑھ جاتا اور جب بھی تلاوت کرتا مجھے ایسی ہی صورتوں کی تلاش ہوا کرتی بچپن کا یہ زمانہ اپنی خوشگوار یادوں اور ننھے خیالات سمیت گذر گیا پھر اس کے بعد نوجوانی کا مرحلہ آیا اور میں علمی درسگاہوں میں داخل ہوا تب تفاسیر سے قرآن کی تفسیر پڑھی اور اساتذہ سے سنا لیکن جو کچھ پڑھتا یا سنتا اس میں میرا وہ خوبصورت اور لطف آمیز قرآن نہ ملتا جو بچپن کے ایام میں پاتا تھا

افسوس کہ اب اس کے حسن و جمال کے سارے نقوش ناپید ہو چکے تھے اور اس میں وہ دلچسپی و رغبت باقی نہ رہی تھی۔ آپ کو یہ گمان نہ ہو کہ میں دو الگ الگ قرآنوں کا تذکرہ کر رہا ہوں، ایک بچپن کا سہل شیریں اور دلچسپ قرآن دوسرا نوجوانی کا دشوار، پیچیدہ اور خیالات پراگندہ کرنے والا قرآن، دراصل یہ مروجہ طرز تفسیر کا نتیجہ ہے پھر میں نے کتب تفسیر سے صرف نظر کر کے

براہ راست قرآن مجید پہ تدبر کرنا شروع کیا اور مجھے میرا محبوب اور خوبصورت قرآن مل گیا اور میری پرلذت اور اشتیاق آمیز تصویریں پھر ابھر کر سامنے آنے لگیں لیکن ان میں اب بچپن کی سی سادگی اور بھولا پن باقی نہ رہا تھا میرا فہم اب تبدیل ہو چکا تھا، اب میں ان کے اغراض و مقاصد کو سمجھنے لگا اور اب یہ معلوم ہو گیا کہ یہ در حقیقت ایک حسین بیان کی جاذبیت ہے، کوئی واقعہ رونما نہیں ہو رہا ہے مگر اس کی جادو بیانی اور دلکشی اب بھی باقی تھی، خدا کا شکر ہے کہ اب مجھے میرا قرآن مل گیا۔ فقط

قرآن مجید کی فنی نقشہ کشی:

سید قطبؒ کی یہ سرگذشت اس حقیقت سے پردہ اٹھاتی ہے کہ ان کی نظر میں قرآن مجید کے اعجاز کا بنیادی نقطہ اس کی فنی نقشہ کشی ہے چنانچہ اسی امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" قرآن مجید کے اسلوب بیان میں نقشہ کشی کا اسلوب سب سے زیادہ نمایاں ہے، معنوی اور غیر محسوس چیزوں کی ترجمانی نفسیاتی کیفیات کا انکشاف، کسی محسوس واقعے کا تذکرہ، کسی منظر کی عکاسی اور انسانی نمونے یا انسانی فطرت کی تعبیر احساسات اور تخیلات سے بھرپور ایک شکل میں اس انداز سے کرتا ہے کہ جیسے وہ فی الحقیقت اپنا کوئی جسم یا سراپا رکھتی ہو، چنانچہ اس میں چلتی پھرتی متحرک زندگی کی ایسی لہر پھونک دیتا ہے کہ وہی معنوی اور غیر محسوس شئی ایک مجسم شکل اختیار کر لیتی ہے، انسانی نفسیاتی کیفیات اور انسانی نمونے زندگی اور حرکت سے معمور نظر آنے لگتے ہیں بشری فطرت پیکر محسوس بن کر ظہور پذیر ہوتی ہے اور واقعات و مناظر نگاہوں میں اس طرح گردش کرنے لگتے ہیں کہ سامعین کو گمان ہونے لگتا ہے کہ وہ کوئی چیز سننے کے بجائے آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں، قرآن مجید اس طرح کی مثالوں سے بھرا ہوا ہے، چنانچہ مذکورہ اغراض و مقاصد میں سے جس مقصد سے بھی تعرض کرتا ہے اس کے اظہار و بیان میں اسی بنیادی اسلوب کو اختیار کرتا ہے۔"[1]

---

[1] التصویر الفنی فی القرآن فصل ۔ نقد وجدت القرآن ص ۷، ۹ (جاری ہے)

اسرار احمد خاں

إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ○

شرک انسان کی تذلیل ہے:- انسان اشرف المخلوقات ہے

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ۝ (بنی اسرائیل)

"یہ تو ہماری عنایت ہے کہ بنی آدم کو بزرگی دی اور انہیں خشکی و تری میں سواریاں عطا کیں اور انکو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی۔"

انسانی نگاہوں میں جو چیز بھی آتی ہے وہ اپنی نوعیت اور فطرت کے لحاظ سے انسان سے کمتر ہی نظر آتی ہے۔ سورج، چاند، تارے، آسمان، زمین، پہاڑ، سمندر، ہوا اور سب کچھ انسانوں کے لئے مسخر ہیں۔ انسان سورج کی شعاعوں کو گرفت میں لے کے اسے اپنی مرضی کے مطابق استعمال کر رہا ہے۔ چاند تارے اور آسمان سب اس کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ چاند پر اس نے اپنے قدم گاڑ دیے ہیں، زمین کا سینہ چیر کر اس سے بیش قیمت اشیاء، تیل، کوئلہ، سونا، چاندی حاصل کر رہا ہے۔ سمندر پر وہ حکمرانی کر رہا ہے۔ ہوا کے دوش پر جب چاہتا ہے جہاں چاہتا ہے چلا جاتا ہے۔ یہ سب اس بات کا ثبوت ہے کہ انسان ان سے افضل و برتر ہے۔ لیکن وہی انسان اپنی افضلیت و برتری کو فراموش کر کے جب انہیں اشیا کے آگے سر جھکاتا ہے، انہیں اپنا آقا سمجھتا ہے، انہیں نفع و نقصان کا مالک سمجھتا ہے تو کیا یہ انسانیت کی تذلیل نہیں ہے انتہائی پست ہے وہ انسان جو بے جان پتھروں، پیڑوں، کیڑے مکوڑوں کے آگے اپنی پیشانی رگڑے اور حاجت طلب کرے۔

انسان اللہ کا خلیفہ اور نائب ہے۔ یہ حیثیت اللہ نے اپنی کسی اور مخلوق کو نہیں عطا کی ہے۔ اسی لئے اللہ نے انسان کو خیر و شر دونوں کی آزادی بخشی، دل، آنکھ اور کان

ہے۔ عوام انسانوں کا یہ رویہ اور طرز عمل دیکھ کر معاشرہ کا ذہین طبقہ اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتا ہے اور لوگوں کو اپنے جال میں پھانس لیتا ہے۔ ان میں سے کوئی اپنے آپ کو دیوتاؤں کا نمائندہ کہہ کر انسانوں کا بادشاہ بن بیٹھتا ہے۔ کوئی پروہت اور پجاری بن بیٹھتا ہے اور لوگوں سے یہ کہتا ہے کہ تمہاری حاجتوں کی برآری ہمارے ہی توسط سے ہوگی لہذا ہمیں خوش کرو اور ہمیں چڑھاوے چڑھاؤ۔ کوئی پنڈت اور پیر بن بیٹھتا ہے وہ تعویذ گنڈوں کا ایک طلسمی جال پھیلاتا ہے۔ اس طرح دھیرے دھیرے اس ذہین طبقہ کا تسلط انسانی معاشرے پر بہت گہرا ہو جاتا ہے اور اسی حالت میں صدیاں گذر جاتی ہیں۔ عراق میں ابراہیمؑ کے زمانے میں نمرود خدا کے نمائندہ کی حیثیت سے بادشاہت کرتا تھا۔ اسی طرح فرعون بھی اپنے آپ کو سورج دیوتا کا اوتار کہا کرتا تھا۔ قوم سبا کے بعد کے سربراہان کار القہ دیوتا کے نمائندہ ہوا کرتے تھے۔ شرک کی گمراہی میں مبتلا عوام ان سربراہوں کو واقعی دیوتاؤں کا نمائندہ سمجھتے تھے اور اسی لئے ان نمائندوں کے ساتھ ان کا رویہ ایسا ہوتا تھا گویا وہ نمائندے فوق الفطری قوتوں کے مالک ہیں۔

میں یہاں یہ کہنے میں کوئی خوف نہیں محسوس کرتا کہ آج اس ملک میں نہرو خاندان کو جو مقام حاصل ہے اور اس سے جو عقیدت عوام اور خواص دونوں کو ہے اس کا واحد سبب وہ ذہنیت ہے جو شرک کے عقیدہ کو اپنانے کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ ہندوستان کا اکثریتی طبقہ اندرا گاندھی ہماری وزیر اعظم کو محض صاحب بصیرت، زیرک صاحب تدبر اور ماہر سیاست انسان نہیں سمجھتا بلکہ انہیں ایک خاص نقطۂ نظر سے دیکھتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ بھگوان کی طرف سے وزیر اعظم کو خاص قوتیں ملی ہوئی ہیں جس کی بنا پر وہ ہندوستان جیسے عظیم مسائل والے ملک کو چلا رہی ہیں۔ ایمرجنسی کے زمانے میں اس وقت کے کانگریسی صدر مسٹر بروا کے الفاظ Indra is India of India is Indra واضح طور پر اس ذہنیت کی غمازی کرتے ہیں۔

سنجیدہ اور بڑے بڑے سیاستدانوں کا انداز بھی ہی کے صاحبزادے مسٹر سنجے گاندھی

جیسی عظیم قوتوں سے نوازا۔ ان قوتوں اور صلاحیتوں کے ساتھ انسان اس دنیا میں بھیجا گیا ہے کہ وہ انھیں استعمال میں لاکر دنیا پر حکومت کرے۔ جس طرح چاہے اسے برتے انسان کا یہ مقام اور اسی لحاظ سے اسکی بے پناہ قوتیں اور صلاحتیں اور اس کا اپنے ہی جیسے انسانوں کا بندہ بے دام ہونا انسانیت کی تذلیل نہیں تو اور کیا ہے؟

شرک کا ارتکاب کرکے انسان اپنے آپ کو مستحق عذاب بناتا ہے۔

انسانی جسم اگر ایکطرف بے پناہ صلاحیتوں اور قوتوں کا مالک ہے تو دوسری طرف اس میں کچھ صلاحتیں محدود بھی ہیں۔ ایک طرف وہ خلاؤں اور سمندروں کو مسخر کرنے کی قوت رکھتا ہے تو دوسری طرف موسم کی شدت کی تاب بھی نہیں لا سکتا۔ زیادہ جاڑا اور زیادہ گرمی دونوں اس کے ناقابل برداشت ہے اس لئے ہر شخص اپنے جسم کی مختلف طریقوں سے حفاظت کرتا ہے۔

کوئی شخص یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کے جسم کو ضرب پہونچائی جائے۔ اور اسے اذیت دی جائے۔ کیونکہ کسی ضرب یا اذیت سے جسم کو تکلیف ہوتی ہے۔ اور جسم کا یہ حق ہے کہ اسے ان تکلیفوں سے بچایا جائے۔ کیا کوئی شخص پسند کرے گا کہ اس کا جسم آگ میں جلایا جائے۔ یقیناً نہیں پسند کرے گا۔ جسم تو جسم صرف ایک انگلی کو آگ کی آنچ دکھادی جائے تو حد درجہ اذیت ہوگی۔ جس طرح اس زندگی میں جسم کو تمام تکلیف اور اذیتوں سے محفوظ رکھنا ہر شخص کی فطرت ہے۔ ہر شخص قدرتی طور پر اپنے اوپر جسم کے اس حق کو پہچانتا اور اسکی حفاظت کی کوشش کرتا ہے۔ اسی طرح دوسری زندگی۔ آخرت کی زندگی میں بھی جسم کو عذاب سے بچانے کی سعی کرنا ہر شخص کا فرض ہے۔ اگر اس طرف سے کوئی کوتاہی برتتا ہے تو وہ جسم کے اس حق سے اغماض برتتا ہے اور جسم آگ میں جلنے سے محفوظ نہ رہ سکے گا۔ آخرت میں اسے عذاب جہنم سے بچانے کے لئے ضروری ہے کہ اسے ان راہوں پر نہ استعمال کیا جائے جن پر استعمال کرنے سے اللہ نے روکا ہے۔ شرک اللہ کو ناپسند ہے۔ اتنا ناپسند ہے کہ اللہ صاف طور پر فرماتا ہے کہ شرک کو چھوڑ کر

بقیہ سارے گناہوں کو اگر چاہوں گا تو معاف کر دوں گا۔ خدا کے حق کو کسی اور کو دینا خدا کو کبھی پسند نہیں ہے۔ ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء۔

(النساء: ۱۶)

شرک کا ارتکاب کرکے مشرک اپنے ہاتھوں، اپنے پیروں، اپنی آنکھوں غرض اپنے جسم کو آخرت کے عذاب کا مستحق بناتا ہے یہ ظلم ہی تو ہے۔ ان ہاتھوں، ان پیروں ان آنکھوں اور ان اعضاء وجوارح کا حق تو یہ ہے کہ انھیں صحیح مقام پر استعمال کیا جائے ان سے وہ کام لیا جائے جو انسان کی خلافت کے منصب سے ہم آہنگ ہو تاکہ آخرت میں وہ جنت کی عمدہ اور لذیذ نعمتوں سے بہرہ ور ہوسکے۔

شرک کے اثرات انسانی زندگی پر

شرک کے فکر و عقیدہ سے انسانی زندگی پر جو غیر معمولی اثرات مرتب ہوتے ہیں ان کا جائزہ لینے پر شرک کے ظلم ہونے کی بات اچھی طرح سمجھ میں آتی ہے۔ شرک کا اثر انسان کی انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح کی زندگیوں میں پڑتا ہے۔ ہم سب سے پہلے شرک کے انفرادی زندگی پر مرتب ہونے والے اثرات کا جائزہ لیتے ہیں۔

انسان ذہنی غلامی میں مبتلا ہوجاتا ہے

شرک کا عقیدہ ہی غیر علمی اور غیر عقلی ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ انسان اپنے ارد گرد کی بے شمار چیزوں سے خوف کھاتا ہے، وہ بہت سی چیزوں کو طاقت وقوت کا سرچشمہ سمجھنے لگتا ہے۔ اس خوف اور تصور کی بناء پر وہ ان چیزوں کے متعلق خود سے یہ گمان قائم کر لیتا ہے کہ وہ چیزیں اس کی قسمت پر اچھا یا برا اثر ڈال سکتی ہیں، اس کی حاجت روائی کر سکتی ہیں۔ اسی کے زیر اثر وہ کہیں کسی قبر سے دل لگاتا ہے کہ یہ میرا کام کر دے گی اور کہیں کسی بت کو اپنا آقا و مالک سمجھ کر سجدہ کرتا ہے کہ وہ اس کی مشکل کو آسان کر دے گا۔

شرک کے ذریعہ انسانی زندگی اوہام و خرافات کی آماجگاہ بن جاتی ہے۔ انسان اپنی سوچنے سمجھنے اور فیصلہ کرنے کی صلاحیتوں کو اپنے خود ساختہ خداؤں کے حوالے کر دیتا

کے متعلق رویہ بنا ہے کہ یہاں بھی وہی ذہنی غلامی کام کر رہی ہے جو خدا بیزاری اور مخلوق پرستی کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔

۲- انسان خوف ویاس کا شکار ہو جاتا ہے

ہر فرد بشری زندگی میں اکثر ایسے لمحے آتے ہیں جب وہ اپنے آپ کو بے بس ومجبور پاتا ہے۔ اس مجبوری وبے کسی کے عالم میں ایک موحد ایک خداپرست حالات پر غور کرتا ہے ان سے نکلنے کی تدبیریں کرتا ہے۔ اس کیلئے وہ اپنے مالک حقیقی کو پکارتا بھی ہے اگر پھر بھی بے چارگی دور نہیں ہوتی تو وہ مایوسی دل شکستگی کا شکار نہیں ہوتا بلکہ یہ کہہ کر اپنے دل کو تسلی دیتا ہے کہ میرا مالک میرے حالات سے واقف ہے وہ اس کی مصلحتوں کو جانتا ہے وہ ان حالات کو دور نہیں کرتا یقیناً اس میں میرے لیے کوئی خیر ہی ہوگا۔ اور یہ تصور مومن وموحد کے دل کو ایک عجیب قسم کا سکون بخشتا ہے۔ اور اسے جو تسلی ملتی ہے اسے وہ بیان بھی نہیں کرسکتا۔ لیکن ایک مشرک جو کہ بے شمار خداؤں کی پوجا کرتا ہے کائنات کی مختلف قوتوں کے آگے سر جھکاتا ہے ان حالات میں ایکدم گھبرا اٹھتا ہے اور اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ کس کے پاس جائے، کس کے آگے ہاتھ پھیلائے، کس سے دعا مانگے کس کا دامن تھامے، کس کے آگے گریہ وزاری کرے۔ اس کے پاس کوئی ایسا پیمانہ نہیں ہوتا کہ وہ اپنے بے شمار خداؤں کو ناپ سکے اور کسی فیصلے پر پہنچ سکے۔ اس حالت میں وہ ہر ایک کے در پر جاتا ہے۔ بعض دفعہ تو اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی حاجت براری کیلئے ہر اس مقام پر جاتا ہے جہاں اسے کوئی امید موہوم بھی دلاتا ہے۔

مثال سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے گی۔ ایک مشرک کا بیٹا اکلوتا بیٹا اسپتال میں پڑا ہوا ہے۔ ڈاکٹر روز دن رات کی انتھک کوششوں کے باوجود بچا نہیں پاتے ہیں اور مریض کے شفایاب ہونے سے ناامیدی ظاہر کرتے ہیں۔ اس بچے کا باپ پاگلوں کی طرح کبھی وشنو کے مندر میں جاتا ہے اور اپنے بچے کی زندگی کی بھیک مانگتا ہے، وہ کبھی شیو کی مورتی کے سامنے گڑگڑاتا ہے، وہ کبھی شنکر کے مجسمے کے

سامنے ہاتھ جوڑ کر منت سماجت کرتا ہے۔ کبھی بھاگ کر کسی سادھو سنت کے پاس جاتا ہے کہ وہ اپنی خاص مہربانی سے بچے کی زندگی واپس کر دے کبھی وہ پیر کے پاس بھی جاتا ہے کہ شاید پیر صاحب اپنے کمالات کے ذریعہ بچہ کو صحتیاب کر دیں۔ لیکن اس باپ کی ساری دوڑ دھوپ ضایع جاتی ہے اور بچہ آخر کار اسپتال کے بستر پر دم توڑ دیتا ہے۔ بچہ مر جاتا ہے اپنے باپ کے دل پر ایک گہرا زخم چھوڑ جاتا ہے۔ اس وقت اس کا باپ مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے اس کے نتیجے میں وہ اپنے بھگوانوں کو گالیاں بھی دینے لگتا ہے۔ یہی وہ لمحہ ہوتا ہے جب سعید روحیں جن کی فطرت پوری طرح مسخ نہیں ہو پاتی یہ سب کچھ چھوڑ کر ایک خدا سے جو حی وقیوم، سمیع وبصیر، علیم وخبیر اور قدیر ہے لو لگا لیتے ہیں اور بے ساختہ پکار اٹھتا ہے کہ خدا صرف ایک ہے اور وہی اس لائق ہے کہ اس کی پرستش اور عبادت کی جائے۔ لیکن اگر اس شخص کی فطرت مسخ ہو چکی ہے تو اس لمحہ اس کا دل بری طرح ٹوٹ جاتا ہے۔ دنیا کی ہر شے پر سے اس کا اعتماد اٹھ جاتا ہے، یہ زندگی اپنی تمام رعنائیوں کے باوجود پھیکی پھیکی اور بے کیف محسوس ہونے لگتی ہے، اور بالآخر وہ خودکشی کر لیتا ہے۔

مغربی ممالک کا تذکرہ ہی کیا ہمارے ملک میں جتنی خودکشی کی وارداتیں ہوتی ہیں وہ اسی مایوسی اور دل شکستگی کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ ہمارے ملک کی دارالحکومت کے اندر جتنی خودکشیاں ہوتی ہیں ان کے پس منظر میں جھانک کر دیکھنے کی کوشش کی جائے تو وہی منظر نظر آئے گا جس کا تذکرہ کر چکا ہوں مایوسی اور شکستگی کے علاوہ خوف اور ڈر بھی شرک کے عقیدہ کا نتیجہ ہے۔ ایک مشرک چونکہ ایک خدائی حقیقت سے بے خبر بے شمار خداؤں کو مانتا ہے اس کا یہ طرز عمل اسے ہر طاقتور چیز سے مرعوب کر دیتا ہے۔ وہ کسی سانپ کو دیکھ کر ڈر جاتا ہے، کالی گھٹاؤں کو دیکھ کر ڈر جاتا ہے، سورج گرہن اور چاند گرہن سے ڈر جاتا ہے۔ یہ ڈر اور خوف اس کی پوری زندگی پر حاوی رہتا ہے۔

اس خوف اور مایوسی کی وجہ سے فرد کی صلاحیتیں سمٹ کر اور سکڑ کر رہ جاتی ہیں اور صلاحیتوں کے گھٹنے اور سکڑنے کی وجہ سے شخصیت بھی ٹھٹھر جاتی ہے۔ شخصیت کا ٹھٹھر جانا صرف فرد کے لئے نقصان دہ ہے بلکہ سوسائٹی کا فطری ارتقاء بھی متاثر ہوتا ہے۔

۳- انسان بدکرداریوں اور بے حیائیوں میں ملوث ہو جاتا ہے

ہوش سنبھالنے کے بعد ہر انسان

اپنے آپ کو ان سوالات کے سامنے کھڑا ہوا پاتا ہے۔ اس پوری کائنات میں میرا کیا مقام ہے؟ میری زندگی کا کوئی مقصد ہے یا یہ بلا وجہ وجود میں آئی ہے؟ میں اپنے اعمال و افعال کا کسی کے سامنے جواب دہ ہوں یا نہیں؟ اگر ہوں تو کس کے سامنے اس کی جواب دہی کرنی ہوگی؟ اگر نہیں ہوں تو یقیناً میں جس طرح چاہوں زندگی بسر کروں؟ ان سوالات کے جوابات ہی آدمی کے رویہ اور طرز عمل کا تعین کرتے ہیں۔

اگر آدمی اپنی زندگی کو بامقصد، اور کسی کے آگے جواب دہ سمجھتا ہے تو اس کا رویہ اور طرز عمل ایک طرح کا ہوگا اور اگر وہ اپنے آپ کو غیر جواب دہ اور غیر مسئول سمجھتا ہے تو اس کا رویہ بالکل دوسری طرح کا ہوگا جواب دہ ہونے کی صورت میں اس کا پورا طرز عمل ذمہ دارانہ اور سوچا سمجھا ہوا ہوگا، اور غیر جواب دہ ہونے کی صورت میں غیر ذمہ دارانہ اور بے سوچا سمجھا ہوا ہوگا۔ جواب دہی کا تصور صرف اسی کے ذہن میں پیدا ہو سکتا ہے جو کائنات پر صرف ایک ہستی کا تصرف سمجھتا ہو اور اسی کو اصل مالک سمجھ کر اس کے احکام بجا لاتا ہو۔ ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتا ہے کہ اس سے کوئی ایسی حرکت نہ سرزد ہونے پائے یا ایسا کوئی عمل نہ ہونے پائے جو اصل مالک کو ناراض کرنے کا سبب بن سکتے ہیں لیکن بے شمار خداؤں پر یقین رکھنے والا یا خدا سے بیزار ہو کر مخلوق پرستی کی لعنت میں گرفتار ہونے والا کبھی اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ اس کے کس عمل سے خدا ناراض ہوتا ہے یا راضی۔ اس کا کون سا رویہ قابل سزا ہے یا قابل جزا۔ اس کے سامنے تو صرف ایک ہی پیمانہ ہے نفع و نقصان کا پیمانہ مضر و مفید کا پیمانہ۔ اس پیمانہ پر جو چیز مفید نظر آتی ہے وہ اس کے لئے مفید اور جو چیز مضر نظر آتی ہے وہ اس کے لئے مضر ہے۔ ہر وہ بدی اس کے لئے نیکی ہے جو اس کے لئے نفع بخش ہو اور ہر نیکی اس کے حق میں بدی ہے جس کی وجہ سے نقصان کا اندیشہ ہو۔ کسی شخص کا غیر ذمہ دارانہ اور مفاد پرستانہ رویہ ہی برائیوں اور بے حیائیوں کو جنم دیتا ہے۔ مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی بے شمار برائیاں اسی ذہنیت کا نتیجہ ہیں۔ امریکہ اور یورپ کے اندر بے حیائی، فحاشی، عریانیت اسی ذہنیت کے زیر اثر وجود میں آئی ہے۔ سید قطب شہیدؒ نے اپنی کتاب میرا چشم دید امریکا میں ایک جگہ لکھا ہے کہ میں ایک بار ایک ٹیچرس ٹریننگ سنٹر میں گیا وہاں ایک جماعت میں ایک لڑکے نے شکایت کی میرے مقام پر میرے ہم جماعت انتہائی کم عمری یعنی چودہ سال کی عمر ہی میں جنسی تجربے کرنا شروع کر دیتے ہیں یہ بہت نقصان دہ ہے ذہنی اور جسمانی حیثیت سے آدمی اس سے کمزور ہو جاتا ہے۔

اس کلاس میں موجود ٹیچر برجستہ گویا ہوتی ہیں اور اپنے شاگرد کو ڈانٹنے کے انداز میں کہتی ہیں "وہ ٹھیک کرتے ہیں۔ ہماری زندگیاں بہت مختصر ہیں ہم چودہ سال سے زیادہ اپنے آپ کو جنسی تلذذ حاصل کرنے سے نہیں روک سکتے۔" مغربی ملکوں کے اندر مروجہ بے حیائی کی یہ ایک ادنیٰ سی جھلک ہے۔

ابھی اخبارات میں یہ خبر آئی تھی کہ انگلینڈ میں ایک آرٹسٹ نے شہزادہ چارلس کی نئی نویلی دلہن لیڈی ڈیانا کے مختلف ننگے پوز بنائے ہیں جو ماہرین کی نظر میں فحش شاہکار ہیں۔ ان پوزوں کو عوام کی نمائش کیلئے لگا دیا گیا ہے۔ تعجب یہ ہے کہ ان پر حکومت وقت کی طرف سے کوئی پابندی نہیں ہے۔ اس ایک مثال سے پوری برطانوی قوم کا مزاج اور مذاق کا پتہ آسانی سے لگایا جا سکتا ہے۔

غیر ذمہ دارانہ ذہنیت کے نتیجہ میں جو طرز عمل وجود میں آتا ہے اس کا تجربہ ہندوستان اچھی طرح کر رہا ہے۔ انڈین ایکسپریس کے مطابق گجرات میں بھروچ ضلع کے ایک آدمی باسی گاؤں میں ایک پولیس آفیسر کسی معاملہ کی تفتیش کے لئے گاؤں کے مکھیا کے گھر پہونچا۔ مکھیا موجود تھا مگر اس کی نوجوان بیوی اپنے بچوں کے ساتھ موجود تھی۔ پولیس افسر اس عورت کے حسن سے اتنا متاثر ہوتا ہے کہ وہیں بیٹیوں کے سامنے اس کی آبرو بجبر و زور لوٹ لیتا ہے۔

یہاں پر میرے ذہن میں ایک نکتہ آ رہا ہے کہ ہندو دھرم کی بزرگ ترین شخصیتوں مثلاً شری کرشن کی شخصیت کے ارد گرد بدکاری اور عشق کے جو واقعات تانے بانے بنے گئے ہیں وہ بعد کی پیداوار ہیں اور اس کا سبب بعد کے زمانے میں پڑنے والے شرک کے اثرات ہیں۔ مذہب کے اجارہ داروں نے دیکھا ہوگا کہ ان مقدس شخصیتوں کی پاکیزہ زندگی سامنے رہتی ہے تو من مانی کرنا مشکل ہوتا ہے اور اگر ان کے ارد گرد واقعات کا جال بن دیا جائے تو بدکاریوں کا جواز نکل آئے گا۔ یہی بات ہمیں یہودیوں کے یہاں بھی نظر آتی ہے کہ انہوں نے انبیاء تک کی سیرتوں کو بھی داغدار کر دیا ہے محض اس وجہ سے کہ بے راہروی کا جواز فراہم ہو سکے۔

شرک کے حاملین ذہنی ساخت کے لحاظ سے دنیا پرست ہوتے ہیں۔ دنیا کی محبت ان کے اندر اتنی زبردست ہوتی ہے کہ وہ ہر مصیبت و تکلیف برداشت کرنے کیلئے تیار رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ قتل کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ اس کی بے شمار مثالیں ہندوستان میں ملتی ہیں۔ زیادہ دنوں کی نہیں ابھی صرف چند دنوں کی بات ہے یعنی ۲۷ ستمبر کی بات ہے انڈین ایکسپریس

کی خبر کے مطابق مدھیہ پردیش کے راۓ پور ضلع کے دو گاؤں میں دو بچوں کو اسی وقت بچا لیا گیا جب انہیں کچھ لوگ دیوی کے مندر میں بلی دینے کے لئے لے جا رہے تھے۔ واقعہ یوں بتایا جاتا ہے کہ مجرمین کو خزانہ ملنے کی امید تھی، اور یہ امید بر آنے کی ایک ہی صورت تھی انسانی جانوں کی قربانی!!

اجتماعی زندگی بھی شرک کے اثرات سے غیر محفوظ نہیں رہتی

جس معاشرہ کے افراد یا تو خدا بیزار ہوں یا بے شمار خداؤں کو مانتے ہوں بنیادی اعتبار سے ان افراد کی ذہنیتوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا اور اسی کی بنیاد پر رویہ اور طرز عمل میں بھی یکسانیت ہوتی ہے۔ جب انہیں افراد پر مشتمل کوئی نظام سلطنت قائم ہوتا ہے تو وہ ان تمام برائیوں، بدخواہیوں کا مجموعہ ہوتا ہے جن سے افراد کی زندگی پہلے سے ہی متاثر ہوتی ہے۔ نفس پرست، خود غرض اور مفاد پرست لوگ حکومت کے جس شعبہ میں داخل ہوں گے وہاں گندگی کے جراثیم ساتھ لے کے جائیں گے۔ وہ انصاف کی کرسیوں پر بیٹھیں گے تو ظالم و جابر کے حق میں فیصلہ دیں گے، مظلوم و مقہور کے خلاف فیصلہ صادر کریں گے، فوج کی سربراہی کے منصب پر فائز ہوں گے تو بستیوں اور بستیوں کو تباہ کر دیں گے، حکومت کے کسی عام محکمے میں گھسیں گے تو رشوت کا چلن عام کر دیں گے، معاشیات کا شعبہ سنبھالیں گے تو سود کی لعنت کی توسیع کریں گے۔

اسی طرح اس حکومت کی رعایا کے اندر تعلیم، آرٹ، کلچر، ادب سب پر باحیت پسندی نفس پرستی، بے حیائی اور بدکاری کے اثرات ہوں گے۔ حکومت کے کارندوں سے کبھی توقع ہی فضول ہے کہ وہ اخلاقی تعلیم اور بامقصد ادب اور آرٹ کی ترویج کریں گے۔

اس قسم کی اجتماعی زندگی میں وہی لوگ ابھر کر سامنے آتے ہیں اور انہیں کا اقتدار پر قبضہ و تصرف ہوتا ہے جو سب سے زیادہ طاقتور، سب سے زیادہ چالاک، مکار، دغا باز، گھٹیا اور خبیث ہوتے ہیں۔

"مضمون نگار حضرات خوشخط اور ورق کے ایک طرف مضمون تحریر فرمایا کریں۔"

صفاتِ باری تعالیٰ پر ایک نظر

اللہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اس کی ذات بے عیب ہے، اس میں کوئی نقص نہیں، مسلمان ہونے کے لئے سب سے پہلے اللہ کی ذات اور اس کی وحدانیت پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ اپنے اندر بے شمار صفات بھی رکھتا ہے، لہٰذا اس کی صفات کو تسلیم کرنا اور اس پر ایمان لانا بھی ایمان میں داخل ہے۔ صفات پر ایمان لائے بغیر آدمی مسلمان نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اللّٰہ لا الٰہ الا ھو، لہ الاسماء الحسنیٰ۔ (طٰہٰ آیت ۸)	وہ اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کے بہترین نام ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۱۴ — ۱۱۷۶) لکھتے ہیں:

اعلم أن من أعظم أنواع البر الایمان بصفات اللّٰہ تعالیٰ و اعتقاد اتصافہ بہا فانہ یفتح بابا بین ھذا العبد وبینہ تعالیٰ ویعدہ لانکشاف ماھنالک من المجد والکبریاء۔[1]	جان لو! بھلائی کی سب سے عظیم قسم اللہ کی صفات پر ایمان لانا ہے اور اس بات پر یقین کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان صفات سے متصف ہے، یہ یقین بندہ اور خدا کے درمیان شناسائی کا دروازہ کھولتا ہے اور ملأ اعلیٰ کے مجد و کبریائی کی تجلیات کا مشاہدہ کرنے کو تیار کرتا ہے۔

اقسام صفات

اللہ تعالیٰ کی صفات بے شمار ہیں۔ ان صفات کی تعداد کے تعین کے سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ کچھ لوگوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی صفات ۹۹ ہیں اور کچھ لوگوں کے نزدیک ایک سو پندرہ ۱۱۵ اور کچھ لوگوں کے نزدیک کچھ ۹۵ ہے۔[2]

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ، جلد اول، باب الایمان بصفات اللہ، ص ۶۳

[2] ملاحظہ ہو، ابوالوفاء محمد درویش کی کتاب "الاسماء الحسنیٰ"

صفات کی تعداد کے سلسلہ میں بخاری نے ایک حدیث ذکر کی ہے:

روی البخاری عن ابی ھریرۃؓ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال إن للہ تسعۃ وتسعین اسما مائۃ إلا واحدا من أحصاھا دخل الجنۃ۔

بخاری نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں، ایک کم سو۔ جو ان کو شمار کرے (اپنے ذہن میں محفوظ رکھے) وہ جنت میں جائے گا۔

اس حدیث کی روشنی میں ناموں کی تعداد واضح معلوم ہوتی ہے۔

ان تمام صفات کو ہم دو قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں (۱) صفاتِ جلالی (۲) صفاتِ جمالی۔ بطور نظیر چند آیات قرآنی ذکر کی جاتی ہیں:

صفاتِ جلالی

وہ صفات جن سے خدا کا خوف اور اس کا جلال مترشح ہو، صفاتِ جلالی کہلاتی ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

ھو اللہ الذی لا الٰہ إلا ھو الملک القدوس السلام المؤمن المھیمن العزیز الجبار المتکبر سبحان اللہ عما یشرکون۔ (الحشر ۲۳)

وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بادشاہ ہے نہایت مقدس، سراسر سلامتی، امن دینے والا، نگہبان، سب پر غالب، اپنا حکم بزور نافذ کرنے والا، اور بڑا ہی ہو کر رہنے والا۔ پاک ہے اللہ اس شرک سے جو لوگ کر رہے ہیں۔

اس آیت میں "العزیز، الجبار، المتکبر" یہ تینوں صفاتِ جلالی ہیں۔ ان تینوں سے خدا کا جلال ظاہر ہوتا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

یصاحبی السجن ءأرباب متفرقون خیر أم اللہ الواحد القھار۔ (۳۹ یوسف ۱۲)

اے زندان کے ساتھیو! تم خود ہی سوچو بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ جو سب پر غالب ہے؟

وھو القاھر فوق عبادہ وھو الحکیم الخبیر۔ (۱۸ انعام ۶)

وہ اپنے بندوں پر کامل اختیارات رکھتا ہے اور وہ دانا اور باخبر ہے۔

---

[1] الاسماء والحسنیٰ، الواحد ... تقدیم

واللہ غالب علی أمرہ ولکن أکثر الناس لا یعلمون۔ (۲۱ یوسف ۱۲)

اللہ اپنا کام کر کے رہتا ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

إن الذین کفروا بآیات اللہ لھم عذاب شدید واللہ عزیز ذو انتقام۔ (۴ آل عمران ۳)

بے شک جو لوگ اللہ کے فرامین کو قبول کرنے سے انکار کریں ان کو یقیناً سخت سزا ملے گی۔ اللہ بے پناہ طاقت کا مالک ہے اور برائی کا بدلہ دینے والا ہے۔

ذلک بأنھم کانت تأتیھم رسلھم بالبینت فکفروا فأخذھم اللہ إنہ قوی شدید العقاب۔ (۲۲ مؤمن ۴۰)

یہ ان کا انجام اس لئے ہوا کہ ان کے پاس ان کے رسول بینات لے کر آئے اور انھوں نے ماننے سے انکار کر دیا۔ آخر کار اللہ نے ان کو پکڑ لیا۔ یقیناً وہ بڑی قوت والا اور سزا دینے میں بہت سخت ہے۔

ان آیتوں میں القہار، القاھر، غالب، العزیز، ذو انتقام، قوی اور شدید العقاب یہ تمام صفات جلالی ہیں۔ ان سے اللہ تعالیٰ کا جلال ظاہر ہوتا ہے اور خوفِ خدا پیدا ہوتا ہے۔ [1]

صفاتِ جمالی

وہ صفات ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی رحمت، شفقت، اور مغفرت وغیرہ ظاہر ہو۔ سورۂ فاتحہ کی پہلی آیت ملاحظہ فرمایئے:

الحمد للہ رب العلمین۔ الرحمن الرحیم۔ (۱ الفاتحہ ۱)

تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام کائنات کا رب ہے۔ نہایت مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔

فتلقی آدم من ربہ کلمت فتاب علیہ إنہ ھو التواب الرحیم۔ (۳۷ البقرہ ۲)

اس وقت آدم نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ کر توبہ کی جس کو اس کے رب نے قبول کر لیا کیونکہ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

واعلموا أن اللہ یعلم ما فی أنفسکم فاحذروہ واعلموا أن اللہ غفور حلیم۔ (۲۳۵ البقرہ ۲)

خوب سمجھ لو کہ اللہ تمہارے دلوں کا حال تک جانتا ہے، لہٰذا اس سے ڈرو اور یہ بھی جان لو کہ اللہ بردبار ہے (چھوٹی چھوٹی باتوں سے) درگزر فرماتا ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو "اسماء الحسنیٰ" تفسیر ابو الاعلیٰ مودودی

واستغفروا ربكم ثم توبوا اليه ان ربي رحيم ودود۔ (۹۰ ہود ۱۱)

دیکھو اپنے رب سے معافی مانگو اور اس کی طرف پلٹ آؤ بے شک میرا رب رحیم ہے اور اپنی مخلوق سے محبت رکھتا ہے۔

فقلت استغفروا ربكم انه كان غفارا۔ (۱۰ نوح ۷۱)

میں نے کہا اپنے رب سے معافی مانگو بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔

مندرجہ بالا صفات اور اسی طرح کی دوسری صفات، صفات جمالی ہیں کیونکہ ان صفات سے اللہ تعالیٰ کا رحیم، غفور، غفار اور حلیم وغیرہ ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کو ہم انہی دو قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ بہت اللہ کی صفات میں سے ایک صفت رب کی ہے۔ یہ صفت نہایت جامع ہے۔ اس صفت کے اندر صفت جمالی اور صفت جلالی کی خوبیاں بھی موجود ہیں۔ چونکہ یہ صفت تحقیق و تفصیل کی طالب ہے۔ اس صفت کی جامعیت کے پیش نظر ہم اسے علیحدہ مفصل ذکر کر رہے ہیں۔

صفت رب کی تحقیق

صاحب اقرب الموارد سعید الخوری الشرتونی لکھتے ہیں: ربّ الشئ ربّاً جمعه و ملكه و... القوم: ساسهم وكان فوقهم۔ الامر: اصلحه واتمه۔ [1]

رب کے معنی جمع کرنا، مالک ہونا۔ القوم: نگہداشت کرنا، نظام امور چلانا۔ الامر: معاملہ درست کرنا، پورا کرنا۔ محمد محمود الصواف لکھتے ہیں:

الرب: هو المالك المتصرف ويطلق في اللغة على السيد وعلى المتصرف للإصلاح وكل ذلك صحيح في حق الله تعالى۔ [2]

رب، مالک، تصرف کرنے والا۔ لغت عرب میں اس کا اطلاق سردار پر ہوتا ہے اور اس شخص پر بھی جو چیزوں میں تصرف سے کوئی اصلاح کرے اور یہ تمام معانی اللہ تعالیٰ کے لئے موزوں ہیں۔

مجد الدین الفیروز آبادی اپنی کتاب بصائر میں لکھتے ہیں:

---

[1] اقرب الموارد جلد اول صفحہ ۳۷۳۔ [2] تفسير مقدمة في معاني الفاتحة وقصار السور، کتاب رب العالمین، تالیف محمد محمود صواف صفحہ ۳۳

وأصل الرب التربية، وهي انشاء الشئ حالا فحالا الى حد التمام۔ [1]

رب کی اصل تربیت ہے اور تربیت کے معنی ہیں کسی چیز کو درجہ بدرجہ آگے بڑھاتے ہوئے حد کمال تک پہنچانا۔

لغت میں رب کے کئی معانی ہیں لیکن جن معانی میں رب خدا کے لئے استعمال ہوتا ہے وہ "رب کل شیئ أی مالکه" کے معنی میں ہے یعنی زمین و آسمان اور اس کے درمیان موجود سب چیزوں کا پالنے والا، پالن ہار اور مالک ہے۔ اس معنی میں رب کسی دوسرے کے لئے استعمال نہیں ہو سکتا۔ اگر استعمال ہو گا تو مجازاً ہو گا۔ ابن منظور رقم طراز ہیں:

الرب: هو الله عزوجل، هو رب كل شيئ اي مالكه، وله الربوبية على جميع الخلق، لا شريك له، وهو رب الأرباب، ومالك الملوك والأملاك، ولا يقال الرب في غير الله إلا بالإضافة۔ [2]

رب اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہ ہر چیز کا مالک ہے۔ تمام مخلوق کا رب ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں وہ ربوں کا رب اور ملوک و املاک کا مالک ہے۔ اللہ کے علاوہ رب صرف مجازاً استعمال ہو سکتا ہے حقیقی معنوں میں استعمال نہیں ہو سکتا۔

اسی چیز کو مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اس طرح لکھتے ہیں:

لفظ رب کے معنی عربی لغت کے اعتبار سے تربیت و پرورش کرنے والے کے ہیں اور تربیت اس کو کہتے ہیں کہ کسی چیز کو اس کے تمام مصالح کی رعایت کرتے ہوئے درجہ بدرجہ آگے بڑھایا جائے یہاں تک کہ وہ حد کمال کو پہنچ جائے۔

یہ لفظ صرف اللہ کی ذات پاک کے لئے مخصوص ہے۔ کسی مخلوق کو بدون اضافت کے رب کہنا جائز نہیں کیونکہ ہر مخلوق خود محتاج تربیت ہے وہ کسی دوسرے کی کیا تربیت کر سکتا ہے۔ [3]

ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری صاحب مذکورہ لغویین اور محققین سے ایک قدم آگے گئے ہیں

---

[1] بصائر ذوي التمييز في لطائف الكتاب العزيز، مجد الدین محمد بن یعقوب الفیروز آبادی جلد ۳ صفحہ ۹

[2] لسان العرب لابن منظور، جلد ۱، صفحہ ۳۹۹

[3] معارف القرآن۔ سورۂ فاتحہ و بقرہ، مولانا مفتی محمد شفیع، جلد اول صفحہ ۳۳

آپ نے رب کے معنی معبود لیا ہے اور دلیل میں ایک شعر بھی پیش کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

الربّ - المعبود - ومن قول الشاعر:

أربٌّ یبول الثعلبان برأسه ذلّ من بالت علیه الثعالب [1]

(کیا وہ معبود ہو سکتا ہے جس کے سر پر دو مرد لومڑیاں پیشاب کریں؟ جس پر لومڑیاں پیشاب کریں وہ تو نہایت ذلیل و پست ہے)

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ رب صرف خدائے تعالیٰ کے لئے ہی استعمال ہو سکتا ہے کیونکہ اپنی معنویت و جامعیت کے اعتبار سے یہ صفت کسی دوسرے کو زیب نہیں دیتی۔ یہ تو صرف مالک دو جہاں کے سر کو ہی زیب دیتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کے لئے استعمال ہوتا ہے تو وہ مجازاً ہوتا ہے حقیقی معنی میں نہیں۔

صفت رب قرآن کریم میں بکثرت استعمال ہوئی ہے۔ کہیں کہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ صفت ہی نہیں بلکہ ذات ہے۔ قرآن کریم میں صفت رب اور اسی جیسی دوسری صفتیں مثلاً الرحمٰن وغیرہ کہیں کہیں خدا کی ذات کی جگہ استعمال ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں اور یہ صرف ان صفات کی جامعیت کی بنا پر ہے۔ [2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اذ قال له ربّه اسلم قال اسلمت لربّ العٰلمین۔ (۱۳۱ البقرہ ۲)
جب اس کے رب نے اس سے کہا "مسلم ہو جا" تو اس نے فوراً کہا "میں مالک کائنات کا "مسلم" ہو گیا۔

قال یٰقوم لیس بی ضلٰلة ولٰکنی رسول من ربّ العٰلمین۔ (۶۱ الاعراف ۷)
نوح نے کہا، اے برادران قوم، میں کسی گمراہی میں نہیں پڑا ہوں بلکہ میں رب العالمین کا رسول ہوں۔

فأتیا فرعون فقولا انّا رسول ربّ العٰلمین۔ (۱۶ الشعراء ۲۶)
فرعون کے پاس جاؤ اور اس سے کہو ہم کو رب العالمین نے بھیجا ہے۔

ان تمام جگہوں پر رب صفت ہونے کے علاوہ خدا کی ذات کی جگہ استعمال ہوا ہے۔

صفت رب کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کے اندر صفات جمالی کی خوبیاں بھی ہیں اور صفت جلالی کی بھی۔ اس کی تائید میں چند آیتیں ملاحظہ فرمایئے:

---

[1] الجامع لاحکام القرآن۔ ابو عبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی۔ جلد اول ص۔

[2] مضمون کی طوالت سے بچتے ہوئے زیر بحث صرف صفت رب ہے۔

صفت رب جلالی و جمالی

(۱) صفت جمالی۔ مندرجہ ذیل مثالوں میں رب بطور صفت جمالی استعمال ہوا ہے:

واذ قال ابرٰهیم ربّ ارنی کیف تحی الموتٰی ..... (۲۶۰ البقرہ ۲)
جب ابراہیم نے کہا تھا کہ میرے مالک مجھے دکھا دے تو مُردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے۔

هنالک دعا زکریّا ربّه قال ربّ هب لی من لدنک ذریّة طیّبة انّک سمیع الدّعاء۔ (۳۸ آل عمران ۳)
یہ حال دیکھ کر زکریا نے اپنے رب کو پکارا، پروردگار! اپنی قدرت سے مجھے نیک اولاد عطا کر، تو ہی دعا سننے والا ہے۔

قال ربّ اغفر لی ولاخی وادخلنا فی رحمتک وانت ارحم الرّٰحمین۔ (۱۵۱ الاعراف ۷)
تب موسیٰ نے کہا، اے رب! مجھے اور میرے بھائی کو معاف کر اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما، تو سب سے بڑھ کر رحیم ہے۔

ربّنا تقبّل منّا انّک انت السّمیع العلیم (۱۲۷ البقرہ ۲)
اے ہمارے رب، ہم سے یہ خدمت قبول فرما لے تو سب کی سننے اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

ربّنا لا تؤاخذنا ان نّسینا او اخطأنا ربّنا ولا تحمل علینا اصرًا کما حملته علی الّذین من قبلنا ربّنا ولا تحمّلنا ما لا طاقة لنا به واعف عنّا واغفر لنا وارحمنا انت مولٰنا فانصرنا علی القوم الکٰفرین۔ (۲۸۶ البقرہ ۲)
اے ہمارے رب! ہم سے بھول چوک میں جو قصور ہو جائیں ان پر گرفت نہ کر، مالک! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالے تھے، پروردگار! جس بار کو اٹھانے کی طاقت ہم میں نہیں ہے وہ ہم پر نہ رکھ، ہمارے ساتھ نرمی کر، ہم سے درگزر فرما، ہم پر رحم کر، تو ہمارا مولیٰ ہے، کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد کر۔

ان تمام آیتوں میں رب کے اندر صفات جمالی موجود ہے۔ بندہ اپنے رب سے رحمت و مغفرت طلب کر رہا ہے۔ اے خدا تو رحیم ہے تو کریم ہے۔ تو مجھ پر کرم کر، میری لغزشوں سے مجھ پر نظر کر۔ قرآن میں جگہ جگہ آیا ہے، ربّنا لا تؤاخذنا، ربّنا ظلمنا انفسنا۔ یہ خدا کی صفت جمالی ہونے کی بین دلیل ہے۔

(۲) صفت جلالی۔ مندرجہ ذیل مثالوں میں رب بطور صفات جلالی استعمال ہوا ہے:

إن ربك هو يفصل بينهم يوم القيامة فيما كانوا فيه يختلفون۔ (٢٥ السجدة ٣٢)

یقیناً تیرا رب ہی قیامت کے روز ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں یہ (لوگ) باہم اختلاف کرتے رہے ہیں۔

فوربك لنحشرنهم والشياطين ثم لنحضرنهم حول جهنم جثيا۔ (٦٨ مريم ١٩)

تیرے رب کی قسم، ہم ضرور ان سب کو اور ان کے ساتھ شیاطین کو بھی گھیر لائیں گے، پھر جہنم کے گرد لاکر انھیں گھٹنوں کے بل گرا دیں گے۔

فلما جاء امرنا نجينا صالحا والذين آمنوا معه برحمة منا ومن خزي يومئذ، إن ربك هو القوي العزيز۔ (٦٦ هود ١١)

آخر کار جب ہمارے فیصلے کا وقت آگیا تو ہم نے اپنی رحمت سے صالح کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے بچا لیا اور اس دن کی رسوائی سے ان کو محفوظ رکھا۔ بے شک تیرا رب ہی دراصل طاقتور اور زبردست ہے۔

إن عذاب ربهم غير مأمون۔ (٢٨ المعارج ٧٠)

ان کے رب کا عذاب ایسی چیز نہیں ہے جس سے کوئی بے خوف ہو۔

ان آیتوں میں رب کے جابر، قاہر، عزیز اور غالب ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ وہ قوی ہے، اس کی دسترس سے کوئی باہر نہیں، وہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ یہ لوگ دندناتے پھر رہے ہیں اور تیرا رب انھیں مہلت دیئے ہوئے ہے تو وہ اس مہلت کا مفہوم غلط سمجھ رہے ہیں، لیکن جب مہلت عمل ختم ہو جائے گی تو تیرا رب انھیں سخت گرفت میں لے لے گا۔ یہ تمام مفہوم مندرجہ بالا آیات کی روشنی میں متعین ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں کچھ جگہیں ایسی ہیں جہاں رب کے صفتِ جمالی اور صفتِ جلالی ہونے کو ایک ہی آیت میں کھول دیا گیا ہے۔

ما يقال لك إلا ما قد قيل للرسل من قبلك، إن ربك لذو مغفرة وذو عقاب أليم۔ (٤٣ حم السجدة ٤١)

اے نبی! تم کو جو کچھ کہا جا رہا ہے اس میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو تم سے پہلے گزرے ہوئے رسولوں کو نہ کہی جا چکی ہو۔ بے شک تمہارا رب بڑا درگزر کرنے والا ہے اور اس کے ساتھ بڑی دردناک سزا دینے والا بھی ہے۔

وهو الذي جعلكم خلائف الأرض

وہی ہے جس نے تم کو زمین کا خلیفہ بنایا

ورفع بعضكم فوق بعض درجات ليبلوكم في ما آتاكم، إن ربك سريع العقاب، وإنه لغفور رحيم۔ (١٦٦ الانعام ٦)

اور تم میں سے بعض کو بعض کے مقابلہ میں زیادہ بلند درجے دیئے تاکہ جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے۔ بے شک تمہارا رب سزا دینے میں بھی بہت تیز ہے، اور بہت درگزر کرنے اور رحم فرمانے والا بھی ہے۔

ان تمام پہلوؤں سے صفتِ رب بہت اہمیت کی حامل ہے۔ اسی بنا پر قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے بعد سب سے پہلی صفت رب ہی کا ذکر ہوا ہے۔

الحمد لله رب العالمين (سورۃ الفاتحہ)

تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام کائنات کا رب ہے۔

صفات کی صحیح معرفت جزوِ ایمان ہے

صفات کی بحث بہت دقیق اور اہم ہے۔ صفات کی صحیح معرفت کے سلسلے میں لوگوں نے کافی ٹھوکریں کھائی ہیں اور اکثر قومیں صفات باری تعالیٰ میں سوءِ معرفت کی وجہ سے ہی ہلاک ہوئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی کچھ صفتیں سماعت، بصارت اور محبت وغیرہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس سلسلے میں کافی لوگ سوءِ معرفت کا شکار ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے سلسلے میں وہ کچھ سوچا جو اس کے لیے زیب نہیں دیتا۔ اس طرح کی صفات کے سلسلے میں صحیح بات یہ ہے کہ ہم ان صفات پر جوں کا توں ایمان لاتے ہیں۔ ان کی کیفیت سے ہمیں کوئی سروکار نہیں۔ [1]

اسی طرح خدا کی صفات میں اعتدال اور توازن تقاضائے ایمان ہے۔ اگر کہیں عدم توازن ہو تو گمراہی لازم آئے گی۔ مثلاً اگر کسی شخص نے صرف خدا کی صفاتِ جمالی کو تسلیم کر لیا اور صفاتِ جلالی کو ترک کر دیا تو وہ بغیر عمل کے صرف اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے بیٹھ جائے گا۔ اور کہے گا کہ اللہ تعالیٰ تو مجھے معاف کر دے گا ہی، وہ بہت رحیم ہے، بہت کریم ہے۔ جھوٹی آرزوؤں سے اپنے آپ کو انہی سے بہلاوے دے گا۔ سورۂ بقرہ میں اسی گروہ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

ومنهم أميون لا يعلمون الكتاب

ان میں ایک دوسرا گروہ امیوں کا ہے جو کتاب کا علم

---

[1] ملاحظہ ہو: حجۃ اللہ البالغہ جلد اول صفحہ ۶۲-۶۳

إلا أماني وإن هم إلا يظنون۔ — دکھتے نہیں بس اپنی بے بنیاد امیدوں اور آرزوؤں کو لئے بیٹھے ہیں اور محض وہم و گمان پر چلے جا رہے ہیں۔

۷۸ البقرہ

اسی طرح ایک اور گروہ نے کہا کہ دل میں ایمان ہو تو عمل کی کیا ضرورت ہے۔ خدا کی ذات پر یقین کرنے اور یاد لانے کے بعد نہ تو عمل کی ضرورت ہے اور نہ صفات کو تسلیم کرنا ہی ضروری ہے۔

فرقہ مرجئہ کا مذہب ہے کہ "ایمان بسیط ہے جس کی حقیقت صرف تصدیق قلبی ہے۔ اقرار لسانی اور عمل مدار نجات ہیں نہ رکن و شرط۔ تصدیق قلبی کے بعد کوئی معصیت یا ترک فرض و واجب مضر نہیں، نہ اس پر عتاب ہوگا۔ ایمان میں زیادتی ہو سکتی ہے نہ کمی۔ خدا کا علم اور دوسری صفات اس سے الگ اور غیر ہیں۔" ؎۱

گروہ معتزلہ میں اکثر لوگوں نے صفات ہی کا انکار کر دیا کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے ؎۲ یہ صورت صفات باری تعالیٰ میں عدم توازن کی وجہ سے لازم آئی۔ ان لوگوں نے محض عقل سے کام لیا اور خدا کی صفات جمالی کی طرف نظر اٹھا کے بھی نہیں دیکھا۔

ٹھیک اسی طرح اگر کوئی شخص صفات جلالی ہی پر غور کرے اور صفات جمالی کو بالائے طاق رکھ دے تو یقیناً خوف خدا سے وہ تارک دنیا ہو جائے گا اور جنگلوں، پہاڑی علاقوں اور ریگستانوں کی طرف رخ کر لے گا، کیونکہ دنیا اسے صرف دارالمحن ہی نظر آئے گی۔ اس کی صلاحیتیں ٹھٹھر جائیں گی اور خدا کی اس کائنات میں اسے امید کی کوئی کرن کہیں نظر نہیں آئے گی۔

چند گروہ نے اپنا سمت سفر یہی کو متعین کیا۔ ان میں کچھ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ صرف اللہ کی عبادت ہی کرو۔ ہر آن، ہر پل، اور ہر وقت خدا کی عبادت و ریاضت میں اپنا وقت گزارو۔ دنیاوی معاملات میں پڑنا ایمان کے منافی ہے۔ اور اسی طرح خدا کی معرفت کے بعد قرآن میں تدبر کرنا بھی خدا کے سلسلے میں بے توجہی کر دیتا ہے۔ ؎۳

؎۱ انوار الباری شرح (اردو) البخاری افادات انور شاہ کشمیری جلد اول صفحہ

؎۲ ملاحظہ ہو محمد ابوزہرہ کی کتاب تاریخ المذاہب الاسلامیہ فی السیاسۃ والعقائد جلد اول صفحہ ۲۰۶

؎۳ ملاحظہ ہو فضائح الصوفیہ بقلم عبدالرحمن عبدالخالق باب اول، مظاہر الفکر الصوفی صفحہ

اعتدال روح اسلام ہے

قرآن شریف میں ہر جگہ اعتدال کی تعلیم دی گئی ہے اور اعتدال پسندوں کو سراہا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وإن حكمت فاحكم بينهم بالقسط إن الله يحب المقسطين۔ — اور اگر فیصلہ کرو تو پھر ٹھیک ٹھیک عدل کے ساتھ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ عادلوں کو پسند کرتا ہے۔

(۴۲ مائدۃ ۵)

ایک دوسری جگہ قرآن کریم نے اعتدال اور میانہ روی کی تعلیم اس انداز سے دی ہے:

ولا تجعل يدك مغلولة إلى عنقك ولا تبسطها كل البسط فتقعد ملوما محسورا۔ (۲۹ بنی اسرائیل ۱۷) — نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ رکھو اور نہ اسے بالکل ہی کھلا چھوڑ دو کہ ملامت زدہ اور عاجز بن کر رہ جاؤ۔

میانہ روی کے سلسلے میں یہ آیت نہایت واضح اور جامع ہے۔

اعتدال اسلام کی روح ہے۔ اسلام ہر شعبہ اور ہر معاملے میں اعتدال کی تعلیم دیتا ہے۔ اسی مناسبت سے اس امت کو امت وسط کہا گیا ہے۔

وكذلك جعلناكم أمة وسطا لتكونوا شهداء على الناس ويكون الرسول عليكم شهيدا۔ (۱۴۳ البقرہ ۲) — اور اسی طرح تو ہم نے تم مسلمانوں کو ایک "امت وسط" بنایا ہے" تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔

"امت وسط سے مراد ایک ایسا اعلیٰ اور اشرف گروہ ہے جو عدل و انصاف اور توسط کی روش پر قائم ہو" ؎۱

ٹھیک اسی طرح صفات باری تعالیٰ میں اعتدال ضروری ہے۔ اگر صفات کے سلسلے میں بے اعتدالی ہو تو یہ ایمان اور اسلام کی روح کے منافی ایک دوسری چیز ہوگی۔

اللہ کی صفات (صفت جلالی اور صفت جمالی) دونوں پر یقین امید و بیم کی حالت میں رہتے ہوئے کیا جائے۔ ایک طرف خدا کا جلال خوف دلاتا ہو تو دوسری طرف خدا کی رحمت یک گونہ تسلی بھی دے رہی ہو اسی کو ایمان کہا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے:

؎۱ ترجمہ و مختصر حواشی۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ صفحہ ، حاشیہ ۱۴۴

حدثنا عبد الله بن ابی زیاد وھارون بن عبد الله البزاز البغدادی قالا نا سیار بن حاتم نا جعفر بن سلیمان عن ثابت عن انس ان النبی صلی الله علیہ وسلم دخل علی شاب وھو بالموت فقال کیف تجدک قال والله یا رسول الله انی ارجو الله وانی اخاف ذنوبی فقال رسول الله صلی الله علیہ وسلم لا یجتمعان فی قلب عبد فی مثل ھذا الموطن الا اعطاہ الله ما یرجو وآمنہ مما یخاف۔

(الجامع ترمذی۔ جلد اول۔ ابواب الجنائز صفحہ ۱۱۴)

ہم سے بیان کیا عبد اللہ بن ابی زیاد اور ہارون بن عبد اللہ بزاز بغدادی نے دونوں نے کہا ہم سے بیان کیا سیار بن حاتم نے انھوں نے کہا ہم سے بیان کیا جعفر بن سلیمان نے بروایت ثابت وانس کے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم ایک نوجوان کے پاس گئے نوجوان جانکنی کی حالت میں تھا آپ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے نوجوان سے پوچھا اس وقت تم کیا محسوس کرتے ہو تو نوجوان نے جواب دیا خدا کی قسم اے اللہ کے رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) میں اللہ سے امید رکھتا ہوں اور اپنے گناہوں سے ڈرتا بھی ہوں۔ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس بندے کے دل میں اس طرح کی کیفیت ہو گی اللہ اس کی امید کو پورا کرے گا اور اسے خوف سے مامون کر دے گا۔

صفات باری تعالیٰ میں اعتدال کے لئے یہ حدیث نہایت جامع ہے کسی پہلو سے بھی اگر کوتاہی ہوئی تو بے اعتدالی لازم آئے گی۔ اللہ تعالیٰ ہم تمام لوگوں کو صفات باری تعالیٰ کی صحیح معرفت عطا فرمائے۔ (ادارہ)

بقیہ: تعارف و تبصرہ

پہنچے گی "حال کونک علی سبیل سواء لم تخن فی جواب خیانۃ"

آیت کریمہ کا ترجمہ اس طرح ہونا چاہئے "اگر تمہیں کسی لوگوں کی طرف سے معاہدے میں خیانت کا یقین ہو جائے تو تم اس معاہدے کو ان کی طرف پھینک دو اس حال میں کہ تم سیدھے راستے پر ہو" یعنی تم نے خیانت نہیں کی ہے۔

ایک ہے نقض عہد اور دوسرا ہے خیانت فی العہد۔ یہاں خیانت فی العہد کا تذکرہ ہو رہا ہے جس کا مطلب معاہدہ کو برقرار رکھ کر اندر اندر خلاف ورزی کرنا۔

یہاں مسلمانوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تم دشمنوں کی خیانت کے جواب میں خیانت نہ کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ غدار اور عہد شکن کو کبھی پسند نہیں کرتا۔ ۔ ۔

تعارف وتبصرہ

مولانا حافظ نعیم الدین اصلاحی

تفسیر "دعوۃ القرآن"

سورۃ انفال تا یوسف۔ از مولانا شمس پیرزادہ
کاغذ طباعت معیاری۔ ہدیہ: دس روپئے
ناشر: ادارہ دعوۃ القرآن ۹۵ محمد علی روڈ بمبئی ۔ ۴۰۰۰۰۳

مولانا شمس پیرزادہ کی شخصیت علمی دنیا کے لئے محتاج تعارف نہیں، ان کے قلم سے نکلے ہوئے کئی ایک ترجمے اہل علم سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ ادھر چند سالوں سے موصوف قرآن پاک کے ترجمہ و تفسیر کا کام "دعوۃ القرآن" کے نام سے بڑی ہی خاموشی، لگن اور تسلسل کے ساتھ انجام دے رہے ہیں۔ اس سے قبل پہلے دعوۃ القرآن، مائدہ تا اعراف پر، ماہنامہ "حیات نو" میں تبصرہ کیا جا چکا ہے۔

"دعوۃ القرآن" کا زیر تبصرہ حصہ سورۃ انفال تا یوسف کے ترجمہ و تفسیر پر مشتمل ہے۔ تفسیر "دعوۃ القرآن" دعوتی نوعیت کی ایک عمدہ تفسیر ہے اور اپنے شگفتہ انداز تحریر، عام فہم اسلوب بیان اور نہایت سادہ طرز استدلال کی وجہ سے ہر خاص و عام کے لئے یکساں طور پر مفید اور لائق مطالعہ ہے۔ امید ہی نہیں بلکہ یقین کامل ہے کہ انشاء اللہ مولانا شمس صاحب کی یہ تفسیر افراد ملت کے اندر حرکت و عمل پیدا کرنے کا اہم ترین ذریعہ ثابت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ موصوف کی اس محنت کو شرف قبول بخشے۔ آمین۔

"دعوۃ القرآن" کے مطالعہ کے دوران مجھے مولانا شمس صاحب کا ترجمہ کہیں کہیں کھٹکا ہے جسے ظاہر کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ امید ہے کہ مولانائے محترم اور دوسرے اہل علم حضرات اس پر غور فرمائیں گے۔

(۱) سورۃ انفال آیت ۵۸ کا ترجمہ مولانا شمس صاحب نے اس طرح کیا ہے: "اور جب اللہ نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ دو گروہوں میں کوئی ایک ضرور تمہارے ہاتھ لگے گا اور تم چاہتے تھے کہ تمہیں بے کانٹا مقابلے کی حالت (یعنی) بے وہ تمہارے ہاتھ لگے" (دعوۃ القرآن ص ۵۸۶)

اس سلسلے میں مجھے دو باتیں عرض کرنی ہیں: ایک یہ کہ "واحدی الطائفتین" یا "احدھما" کی

ثروت ہے۔ یہ چوں کہ کوئی گنتی کے لیے استعمال ہوتا ہے اس لیے "بڑے" اور "بے مثل" وغیرہ کا معنی دیتا ہے۔ قرآن پاک میں یہ لفظ کئی جگہ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے مثلاً "قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَا إِلَّا إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ" (توبہ ـ ۵۲)

یہاں مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے کہ تم منافقین کو جواب دو کہ تم ہمارے بارے میں نہیں انتظار کرتے ہو مگر دو اچھے انجاموں میں سے سب سے بڑے انجام کا۔

یعنی تمہاری خواہش ہے کہ ہم مر جائیں۔ نادانو! اللہ کی راہ میں مرنا مومن کی سب سے بڑی سعادت ہے۔ یہ وہ خوش نصیبی اور نیک بختی ہے جس پر ہزاروں زندگیاں قربان کی جا سکتی ہیں۔

اسی طرح سورۂ فاطر آیت ۴۲ میں یہ لفظ آیا ہے۔ وہاں بھی اس لفظ کا یہی معنی ہے۔ اسی کی روشنی میں اس آیت کی بھی تفسیر کرنی چاہیے۔

دوسری بات یہ ہے کہ "اَنَّہَا لَکُمْ" کا ترجمہ "ہاتھ لگے گا" درست نہیں ہے کیونکہ "لکم" کا "ل" لام اختصاص یا انتفاع کا نہیں، مقابلے کا ہے۔ "لام" کا یہ معنی عربی زبان میں نہایت معروف ہے۔ ایک جاہلی شاعر نے کہا ہے۔

جدنا لکم من حی عوف ومالک   کتائب یردی المقرفین نکالها

یعنی "اے عوف و مالک کے لوگو! ہم نے تمہارے مقابلے کے لیے لشکر جرار جمع کئے ہیں جن کی عبرت ناک سزائیں غلاموں کو ہلاک کر دیتی ہیں"

یہ بالکل اسی طرح کا استعمال ہے جس طرح خود قرآن نے "إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ" (سورۂ آل عمران ۱۷۳) اور "وَقَلَّبُوا لَكَ الْأُمُورَ" (سورۂ توبہ آیت ۴۸) میں کیا ہے۔ ان دونوں ہی جگہوں پر بھی "لام" مقابلہ کا ہے اور خود مولانا موصوف نے وہاں مقابلے ہی کا ترجمہ کیا ہے۔ تو پھر آخر یہاں "مقابلہ" کا معنی کیوں نہ لیا جائے جب کہ سیاق و سباق بھی اسی کی تائید کر رہا ہو۔

آیت کا ترجمہ یوں کرنا چاہیے "یاد کرو اس وقت کو جب کہ اللہ تعالیٰ تم سے ایک کے ساتھ یہ وعدہ کر رہا تھا کہ دو گروہوں میں سے بڑا گروہ (لشکر کفار) تمہارے مقابلہ پر آئے گا اور تم چاہتے تھے کہ تمہارا مقابلہ غیر مسلح (سفیانی قافلہ) سے ہو"

(۲) انفال آیت ۷ کے دوسرے ٹکڑے کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے: "اور یہ اس لیے ہوا کہ اللہ تعالیٰ

مومنوں کو اپنی جانب سے بہتر آزمائش سے گزارے" (دعوۃ القرآن ص ۵۷۵)

"بَلَاءً حَسَنًا" کا ترجمہ "آزمائش" اس کے ... لغوی معنی ... "ابلاء" کا ...

لغت ... کی تمام مشہور کتابوں میں یہ معنی مل جائے گا۔

لسان العرب میں ہے "الابلاء: الانعام والاحسان"۔ حضرت کعب بن مالکؓ کی روایت ... حدیث "ما علمت احدا ابلاه الله احسن مما ابلانی" میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جسے اللہ نے مجھ سے بہتر انعام دیا ہو۔

زہیر معلقہ کا مشہور شاعر زہیر ابن ابی سلمیٰ کہتا ہے:

جزی الله بالاحسان ما فعلا بکم   وابلاهما خیر البلاء الذی یبلو

اس شعر کی تشریح صاحب "لسان العرب" نے اس طرح سے کی ہے "ای صنع الله بهما خیر الصنیع الذی یبلو به عباده" یعنی اللہ تعالیٰ ان دونوں سے اچھا برتاؤ کرے گا جو اپنے بندوں سے کرتا ہے۔

کتب لغت کے علاوہ عربی زبان کی تمام ہی معروف اور متداول تفسیروں میں "ابلاء" اور "بلاء" کی تفسیر "انعام اور احسان" ہی سے کی گئی ہے۔ نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے اردو مترجمین میں شاہ ولی اللہ کے علاوہ شاید ہی کسی نے اس ٹکڑے کا صحیح ترجمہ کیا ہو۔ آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہوگا "اور یہ اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن و مخلص بندوں کو بہترین انعام سے نوازے"

(۳) سورۂ انفال آیت ۳۳ کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے "اور اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل کرنے والا نہ تھا" (دعوۃ القرآن ص ۵۸۵)۔ اس ٹکڑے میں "لیعذبهم" کے "ل" کا یہ ترجمہ نہیں ہو سکتا۔ لام جحود نہیں یہاں اس کا ترجمہ کیا جائے۔

قاعدہ یہ ہے کہ جب ما کان یا لم یکن کے بعد حرف "لام" فعل مضارع پر داخل ہوتا ہے تو اس لام کو نحو کی اصطلاح میں "لام جحود" کہتے ہیں۔ جحود کے معنی انکار کے ہیں۔ یہ حرف ایسے موقع پر اصلاً نفی کی تاکید کے لئے آتا ہے۔ اس کا ترجمہ "ہرگز" کے لفظ سے ہونا چاہیے۔ اب صحیح ترجمہ یہ ہوگا "اللہ تعالیٰ ان پر ہرگز عذاب نازل کرنے والا نہ تھا"

اس ٹکڑے کا ترجمہ مولانا محمد احسن صاحب نے صحیح کیا ہے۔ مولانا کا ترجمہ ہے "اور اللہ ہرگز

کرتا عذاب ان پر جب تک تو رہتا ان میں۔"

(۴) سورہ انفال آیت ۴۶ کا ترجمہ دعوۃ القرآن میں اس طرح درج ہے "اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی" (دعوۃ القرآن ص ۶۰۸) "تذھب ریحکم" کا ترجمہ "ہوا اکھڑ جانے" کرنا صحیح نہیں ہے، گو بیشتر مترجمین نے یہی ترجمہ کیا ہے۔ "ریح" کا ایک معنی غلبہ، قوت اور اقتدار کا ہے۔ مختار الصحاح میں ہے:

"الریح" "ایضا" "الغلبۃ والقوۃ"۔

"لسان العرب" میں ہے: قد تکون الریح بمعنی الغلبۃ والقوۃ...... ومنہ قولہ تعالی "وتذھب ریحکم"۔ اکابر مفسرین نے یہاں پر "ریح" کا معنی قوت و غلبہ کے لیا ہے۔ اختلاف و تشتت کے نتیجے میں ملت کی صرف ہوا ہی نہیں اکھڑے گی بلکہ غلبہ و قوت اور شوکت و اقبال بھی خاک میں مل جائیں گے۔ آیت کا ترجمہ یوں کرنا چاہئے کہ "اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہارا غلبہ و اقتدار ختم ہو جائیگا"۔ ہمارے مترجمین میں مولانا فتح محمد جالندھری کا ترجمہ دوسروں کی بہ نسبت زیادہ مناسب ہے۔ مولانا نے "تذھب ریحکم" کا ترجمہ اس طرح کیا ہے "اور تمہارا اقبال جاتا رہیگا"۔

(۵) سورہ انفال آیت ۵۸ کا ترجمہ دعوۃ القرآن میں یہ ہے کہ "اگر تمہیں کسی قوم سے بدعہدی کا اندیشہ ہو تو ان کا عہد سیدھے طریقہ پر ان کے آگے پھینک دو"۔ اس آیت کریمہ میں "خوف" کا ترجمہ "اندیشہ" کرنا مناسب نہیں۔ بلاشبہ یہ لفظ قرآن مجید میں زیادہ تر اسی معنی میں مستعمل ہوا ہے لیکن عربی زبان و ادب میں اس کا ایک اور معنی بھی ہے اور وہ یقین کا معنی ہے۔

"لسان العرب" میں ہے "الخوف: الیقین"۔ خوف کے معنی یقین کے ہیں۔ "اقرب الموارد" میں ہے "خاف" علم و تیقن۔ خوف کے معنی علم و تیقن کے ہیں۔ خود قرآن مجید میں خوف کئی جگہ یقین کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو "البقرہ" آیت ۱۸۲، "نساء" آیت ۱۲۸۔ آیت زیر بحث میں خوف کے معنی "اندیشے" کے نہیں بلکہ علم و یقین کے ہیں۔ محض اندیشے کی بنیاد پر معاہدے کو توڑنا ہمارے نزدیک کسی طرح بھی صحیح نہیں۔ آیت زیر بحث کے دوسرے ٹکڑے کا ترجمہ "ان کا عہد سیدھے طریقے پر ان کے آگے پھینک دو" محل نظر ہے۔ اصل میں لفظ "سواء" استعمال ہوا ہے جو عام طور پر مستوی کے معنی میں ہوتا ہے اور طریق یا سبیل کی صفت بنتا ہے۔ یہاں پر نحوی ترکیب کے لحاظ سے "علی سواء" [illegible] ذوالحال واقع ہوا ہے اگر اسے محذوف مان لیا جائے تو پوری عبارت یوں

باقی صفحہ [illegible] پر

جامعہ کے لیل و نہار

جناب مولانا امانت اللہ صاحب کی آمد

جناب مولانا امانت اللہ صاحب ۲۲ دسمبر ۱۹۹۵ء کی صبح جامعۃ الفلاح تشریف لائے، آپ کی آمد کی خبر سنتے ہی اساتذہ و طلبہ میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ تمام لوگ آپ سے استفادہ کے دیرینہ متمنی تھے۔ اللہ کا شکر ہے موصوف نے اپنے اس سفر کے دوران اپنا کچھ قیمتی وقت جامعہ کے طلبہ و اساتذہ کو عنایت فرمایا۔

مولانا کی تشریف آوری کے بعد سے استفادہ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ پورے دن گاہے بگاہے اساتذہ کرام آپ سے استفادہ کرتے رہے۔ بعد نماز عصر اساتذہ کی ایک نشست ہال میں رکھی گئی جس میں باہمی تعارف کے بعد شعبہ حفظ، شعبہ اعلیٰ اور شعبہ نسواں کے سلسلے میں گفتگو ہوئی۔ موصوف نے فرمایا تعلیم نسواں کے سلسلے میں کافی پیش رفت ہوئی ہے اور یہ ایک خوش آئند بات ہے۔

طلبہ کو یہ اندیشہ ہو چلا تھا کہ کہیں ہمارے مشفق اساتذہ ہماری حق تلفی نہ کر بیٹھیں لیکن ایسا کیوں کر ہو سکتا تھا۔ صدر محترم جناب مولانا عبدالحسیب صاحب نے بعد نماز مغرب طلبہ کو خوشخبری دی کہ بعد نماز عشاء مولانا طلبہ سے خطاب فرمائیں گے۔

بعد نماز عشاء مولانا کا پروگرام مسجد ہی میں رکھا گیا۔ تلاوت کلام پاک، ترانۂ فلاح اور استقبالیہ کے بعد صدر محترم نے آپ کا تعارف فرمایا۔ آپ نے مولانا کی آمد پر دلی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ "مولانا اور کئی سالوں سے تشریف نہیں لا سکے تھے اور آج جو تشریف لائے ہیں تو ہماری خوشی کی کوئی انتہا نہیں ہے"۔

صدر محترم نے آپ کی تعلیم کے سلسلے میں فرمایا کہ موصوف نے مدرسۃ الاصلاح سرائمیر میں تعلیم حاصل کی۔ مدرسۃ الاصلاح پر جن اساتذہ نے قرآن کے درس دیئے ہیں ان سے مولانا کو بھرپور استفادہ کا موقع ملا ہے۔ آپ نے مزید فرمایا "مولانا حمیدالدین فراہیؒ سے کون صاحب علم ہے جو واقف نہ ہو اور کون طالب علم ہے جو ان کا منت کش نہ ہو۔ مولانا فراہی کے دو شاگرد رشید رہے ہیں ایک مولانا اختر احسن اصلاحی تھے ان کا وصال ہو چکا۔ بالفعل مولانا امین احسن اصلاحی حیات ہیں [illegible]۔ آپ نے مولانا اختر احسن اصلاحیؒ سے جو زانوئے تلمذ تہہ کیا وہ قابل رشک ہے۔ انہیں صحبتوں [illegible]

خدائے بخشندہ۔ اس تجربہ عید کے برگ و بار تو بہت سارے ہوتے ہیں لیکن جب تقریب رخصتی آتی ہے تو روح کی گہرائی سے آپ کے لئے دعا نکلتی ہے اور دل شکر و سپاس سے لبریز ہو جاتا ہے۔"

صدر محترم نے آپ کے طریقۂ تعلیم کو تمام لوگوں کے لئے نمونہ بتایا۔ آپ نے فرمایا: "اس میں ہم سب لوگوں کے لئے درس اور نصیحت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی حسن نیت، آپ کی حسن محنت، آپ کی حسن سیرت اور آپ کی حسن طلب کے نتیجے میں آپ پر جو فضل کیا وہ قابل رشک ہے۔"

"پھر مولانا نے جامعہ اسلامیہ میں درس دیا۔ آپ وہاں کے ناظمین وغیرہ میں ہیں۔ اس کے بعد آپ کی خدمات کو دار القاسم نے حاصل کیا اور اس وقت آپ تحریک رابطہ کے آفس کے ڈائریکٹر ہیں۔" صدر محترم نے ساتھ ہی طلبہ کی دلی ترجمانی ان الفاظ میں فرمائی: "دراصل ہم عزیمت اس بات کے خواہش مند ہیں، سب ہی کی یہ تمنا ہے کہ آپ جلد سے جلد واپس آ جائیں لیکن ہماری خواہش اور کوشش ایک طرف رہ گئی اور رابطہ کا اصرار کہ وہ چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔ بہر حال ہم دعا کرتے ہیں اور آپ بھی دعا کریں کہ [illegible] آباد کر کے مولانا اپنے گھر جائیں اور اس جامعہ کے طلبہ و اساتذہ کو اپنے علم سے مستفید ہونے کا موقع دیں۔ آمین ثم آمین۔"

اس کے بعد مولانا نے اپنی گفتگو کا آغاز کیا۔ مولانا کی تقریر کا ہر ہر لفظ ہم تمام کے لئے مشعل راہ ہے۔ ہم انشاء اللہ مولانا کی تقریر اگلے شمارے میں شائع کریں گے لیکن اس کی چند جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں۔ موصوف نے اپنے سلسلے کے دوران اختصار کے ساتھ کتاب اللہ سے تعلق کو بتایا اور طلبہ کی توجہ کتاب اللہ کی طرف مبذول فرمائی۔ آپ نے اپنی پوری تقریر میں طلبہ کو مطالعہ قرآن پر ابھارا۔ آپ نے فرمایا کہ قرآن کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ اس مطالعہ کا اثر بھی انسان پر ہونا چاہئے بلکہ دل و دماغ پر اس کا اثر ہو۔ آپ نے اپنی تقریر میں تین باتیں بتائیں۔ آپ نے فرمایا ——

"مطالعہ قرآن سے پہلا اثر جو انسان پر پڑتا ہے وہ ہے خشوع۔ یہ استعداد کی بنیاد ہے اور استعداد کے ساتھ ساتھ اس میں ترقی بھی ہونی چاہئے۔ دوسرا یہ کہ گمراہی کا سبب یہ ہے کہ لوگ اجزا کو لے لیتے ہیں اور اس کو کل بنا لیتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ اختلافات کا سبب جہالت نہیں ہے بلکہ خشوع کی کمی ہے جس کے نتیجے میں بھی اعتدال [illegible] اصحاب نقل اور اصحاب رائے کی گتھیاں ابھرتی ہیں۔"

[illegible] ۲۷ دسمبر [illegible] کے بعد [illegible] سورہ [illegible] مولانا [illegible]

ناظم احیاء العلوم کا انتقال

ناظم احیاء العلوم مبارکپور جناب مولانا عبد الباری قاسمی صاحب ۲۵/دسمبر ۱۹۸۸ء بروز شنبہ بوقت ۹ بجے دن تقریباً ۸۵

سالہ کی عمر میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ۲۶ دسمبر کو آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔ جامعہ سے صدر جامعہ جناب مولانا عبد الحسیب صاحب اصلاحی کی قیادت میں اساتذہ و طلبہ کے ایک وفد نے مرحوم کی نماز جنازہ میں شرکت کی۔

مولانا مرحوم ہندوستان کے ایک معروف و مشہور اور قدیم درسگاہ کے عالم دین تھے۔ آپ کی کتاب زندگی کا ایک ایک ورق علم و عمل، سخاوت و فیاضی، مروت و ہمدردی، انسان دوستی اور خدمت خلق جیسے اعلیٰ اوصاف سے مزین و مرصع تھا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو غریق رحمت کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مقامی انجمن طلبہ قدیم کی شوریٰ اور فلاحی برادران کی نشستیں

تقریباً ایک ماہ سے مقامی انجمن طلبہ قدیم کی شوریٰ کی نشستیں وقتاً فوقتاً منعقد ہو رہی ہیں۔ ان نشستوں میں انجمن طلبہ قدیم کا چوتھا دو سالہ اجلاس موضوع بحث رہا۔

۲۱ دسمبر ۱۹۸۸ء بروز بدھ بعد نماز عصر جامع مسجد [illegible] میں مقامی فلاحی برادران کی ایک نشست ہوئی جس میں انتظامی امور کے علاوہ فنڈ کی فراہمی پر بھی تبادلہ خیال ہوا۔ فنڈ کی فراہمی کے لئے مقامی سطح پر ایک اچھا انتظام کر لیا گیا ہے۔ ۲۲ اور ۲۳ دسمبر ۱۹۸۸ء کو مقامی انجمن کی شوریٰ کی میٹنگ ہوئی۔ جناب مولانا محمد [illegible] صاحب ندوی بھی شریک میٹنگ تھے۔ اس میٹنگ میں پچھلے دو سالہ اجلاس اور جامعہ [illegible] موضوع بحث آئے۔

جلسہ سیرت گورکھپور میں طلبہ کی کامیابی

میاں صاحب جارج اسلامیہ انٹر کالج گورکھپور کی جانب سے ہر سال سیرت پر تحریری، تقریری اور نعتیہ مقابلے ہوتے ہیں۔ اس سال یہ جلسہ ۱۹ اور ۲۰ دسمبر ۱۹۸۸ء کو منعقد ہوا۔ گزشتہ چند سالوں کی طرح اس سال بھی طلبہ ان مقابلوں میں شریک ہوئے۔ مجموعی اعتبار سے جامعہ کے طلبہ سب سے آگے رہے، اول انعام کے مستحق قرار پائے اور شیلڈ حاصل کی۔ جناب مولانا نعیم الدین اصلاحی صاحب استاذ جامعہ سرپرست کی حیثیت سے طلبہ کے ساتھ تھے۔ شرکت کرنے والے طلبہ یہ ہیں:

قرأت: سیف اللہ مجاہد I ، نعت: شاہد بدر I ، تحریری مقابلہ: خالد حسن رشید I ،
تقریر: محمد عثمان I ، منتخب حدیث: عبد السلام III ۔

جمعیۃ الطلبہ کا تعلیمی مظاہرہ

جمعیۃ الطلبہ جامعۃ الفلاح نے کافی دنوں کے بعد اس سال اپنے تعلیمی مظاہرے کے انعقاد کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ مظاہرہ ان شاء اللہ ۲-۳ جنوری ۱۹۸۸ء بروز سنیچر و اتوار ہوگا۔ اس مظاہرے کے پروگرام میں تلاوت کلام پاک، نعتیں، ترانے، تقاریر، مقالے، مکالمے اور بیت بازی وغیرہ شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس مظاہرے کو کامیاب بنائے۔ (آمین)

طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح متوجہ ہوں

برادر عزیز!   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ ہمارے چند فلاحی بھائی ایسے ہیں جن کے پتے یہاں دفتر انجمن میں موجود نہیں ہیں۔ ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔ ان میں سے جن کا بھی پتہ آپ جانتے ہوں اس سے ہمیں فوراً مطلع کرنے کی کوشش کریں تاکہ ان سے جلد از جلد رابطہ قائم کیا جا سکے۔ والسلام ——— آپکا بھائی انصار احمد فلاحی

۱۹۷۵ء : برادر عبدالواحد فلاحی   ۱۹۷۶ء : برادر عرفان احمد فلاحی

۱۹۷۹ء : برادر شفاعت احمد فلاحی   ۱۹۸۰ء : برادر شہاب الدین فلاحی،
برادر عبدالمجید فلاحی، برادر محمد احمد فلاحی

۱۹۸۱ء : برادر تنویر احمد فلاحی   ۱۹۸۲ء : برادر محمد فاروق فلاحی،
برادر عبدالمومن فلاحی، برادر معین الدین فلاحی، برادر عبدالمنان فلاحی،
برادر محمد عارف فلاحی، برادر عبداللہ فلاحی

۱۹۸۳ء : برادر کلیم الدین فلاحی، برادر جلال الدین فلاحی   ۱۹۸۴ء : برادر عبدالقیوم فلاحی

۱۹۸۵ء : برادر ابوالمجاہد فلاحی، برادر شجاعت حسین فلاحی

۱۹۸۶ء : برادر ذاکر حسین فلاحی   ۱۹۸۷ء : برادر فرحان احمد فلاحی

ناظم اجلاس کی چند گذارشات

برادر محترم!   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ اس سے قبل انجمن طلبہ قدیم کے چوتھے دو سالہ اجلاس کی اطلاع دی جا چکی ہے۔ امید ہے کہ آپ حضرات اجلاس میں شرکت کی تیاریوں میں مصروف ہوں گے۔ اس سلسلے میں چند گذارشات پیش خدمت ہیں:

۱۔ اجتماع میں شرکت کی ہر ممکن کوشش کریں الا یہ کہ عین وقت پر کوئی عذر مانع ہو جائے۔

۲۔ اس شمارے میں ان فلاحی بھائیوں کے نام دیے جا رہے ہیں جن کے پتے دفتر انجمن میں موجود نہیں ہیں ان میں سے جن کے پتے کا بھی آپ کو علم ہو اس سے ہمیں فوراً مطلع کریں۔

۳۔ دعوت نامے اور تفصیلی پروگرام بذریعہ ڈاک روانہ کیے جا رہے ہیں پروگرام کا بغور مطالعہ فرمائیں اور انجمن کے تنظیمی اجلاس کو مفید اور کامیاب بنانے کیلئے اپنی تجاویز و مشورے فوراً سکریٹری انجمن کے پاس روانہ فرما دیں۔

۴۔ فارغین جامعہ کا ایک خصوصی اجلاس "ان کے مسائل" کے ضمن میں برادر محترم جناب مولانا رحمت الاثری فلاحی صاحب کی صدارت میں ہوگا۔ اس موضوع پر اظہار خیال کرنے کیلئے تیاری کر کے تشریف لائیں۔

۵۔ اجلاس کی کامیابی کے لئے خصوصی دعا کا اہتمام فرمائیں۔

— والسلام —

آپکا بھائی ... انصار احمد فلاحی